{ Edi

انتخاب کلام

سلام مچھلی شہری

67

مرتبہ
عرفان عباسی

اترپردیش اردو اکادمی
لکھنؤ

سلسلۂ مطبوعات: ۳۳۱

انتخاب کلام

سلام مچھلی شہری

مُرتبہ

عرفان عبّاسی

اُتر پردیش اُردو اکادمی
لکھنؤ

انتخاب کلام سلام مچھلی شہری

مرتبہ عرفان عباسی

پہلا ایڈیشن ۱۹۹۱
تعداد ۱۰۰۰
قیمت بارہ روپے ۱۲

جگدیش چندر چڈھا، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے نشاط آفسیٹ پریس، ٹانڈہ، (فیض آباد) سے چھپوا کر بلہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱ سے شائع کیا۔

پیش لفظ

کسی زبان کی سطح ارتقا کو سمجھنے کے لیے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ عصری تقاضوں کو پورا کرنے کی کس درجہ صلاحیت رکھتی ہے، جدید علوم و فنون اور جدید افکار و نظریات کے ابلاغ و ترسیل کے لیے اس کی لفظیات کہاں تک کفالت کرتی ہے۔ اس بات کا ادراک بڑی حد تک اس زبان میں شائع ہونے والی کتابوں کی کیفیت، کمیت اور موضوعات کے تنوع سے ہو سکتا ہے۔

دنیا کی دوسری ترقی یافتہ زبانوں کی تاریخ کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ اردو کو ایک باضابطہ زبان کی شکل اختیار کیے ہوئے بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے۔ پھر بھی دوسری زبانوں سے استفادے کے تئیں اس کی وسیع القلبی کی بدولت یہ قابل لحاظ لفظی سرمائے کی مالک بن چکی ہے۔ البتہ اردو میں سائنسی اور تکنیکی اصطلاحات کی کمی کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ کچھ ادارے اصطلاحات سازی کی طرف خاطر خواہ توجہ کر رہے ہیں اور وہ دن دور نہیں معلوم ہوتا جب اس کمی کا احساس بھی ختم ہو جائے گا۔

اتر پردیش اردو اکادمی کے بنیادی مقاصد میں اشاعتِ کتب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس مقصد کے حصول کی جانب اکادمی نے کتنی توجہ کی ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آج اکادمی کا شمار صفِ اول کے اردو ناشرین میں ہوتا ہے۔

اشاعتِ کتب کا یہ سلسلہ مسلسل جاری ہے۔

زیرِ نظر کتاب "انتخاب کلام سلام مچھلی شہری" مطبوعات اکادمی کے اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ امید ہے کہ اکادمی کی شائع کردہ دوسری کتابوں کے مانند اس کتاب کو بھی شرفِ قبول حاصل ہوگا۔

محمد یونس نگرامی
چیرمین مجلس انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکادمی
لکھنؤ۔

ترتیب

مقدمہ

عام طور پر خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ لیکن جب تک طوفان آکر نکل نہ جائے اس کی روانی، رفتار اور آب و تاب مدھم نہ پڑ جائے اس وقت تک اس کی وجہ سے ہونے والے نقصان یا فائدے کا صحیح اندازہ لگانا محال ہوتا ہے۔ آیا طوفان دوران عمل اپنے طاقتور اور مہیب بازوؤں میں سب کچھ سمیٹ کر لے گیا یا اپنی رَو میں کچھ نامعلوم نعمتیں اڑا کر ارض گیتی کے قدموں پر نچھاور کرنے کے لئے اپنے ساتھ لایا بھی۔ یہ معمہ اس وقت حل ہو سکتا ہے جب طوفان گزرنے کے بعد ہواؤں میں ٹھہراؤ کی کیفیت پیدا ہو چکی ہو اور فضائیں پرسکون ہو چکی ہوں۔

ہندوستان میں ترقی پسند تحریک کو بھی ایک ایسے ہی طوفان سے تعبیر کیا جا سکتا ہے جس کے سود و زیاں کا کوئی واضح اور صحیح اندازہ پوری دو دہائیوں تک لگانا امر محال تھا۔ تحریک کی تمہید خاصی سست رفتار، عمل کچھ تیز رفتار اور ردعمل برق رفتاری کی حد تک نمایاں اور قابل شمار تھا۔ بیسویں صدی کے نصف اول کا آخری اور نصف آخر کا اولین دور عمل اور ردعمل کی منزلیں طے کرتا رہا، صدی کی چھٹی دہائی کا عرصہ خاص طور پر منفی یا مثبت نتائج کی رونمائی کا عرصہ ہے۔ غرضکہ ایک تہائی صدی کا زمانہ ترقی پسند تحریک کی عمل آوری کا دور ثابت ہوا۔ تجربے کے طور پر جو حقائق سامنے آئے وہ بالکل اس سونے کی طرح تھے جو طویل عرصے تک تجربات و حوادث کی آگ میں تپ کر کندن ہو گیا ہو ـــــ ترقی پسند تحریک کے اختتام پر (گو کہ اس کے محرک ختم ہو چکے ہیں لیکن تحریک ابھی زندہ ہے) کچھ سنجیدہ، باوقار، باصلاحیت اور قابل ذکر نام ابھر کر سامنے آئے۔ یہ فہرست تحریک کے دوران ہنگامہ اور شور و شغب کرنے والے نوجوانوں کی

ایک بڑی ٹولی کا وہ چھوٹا سا حصہ تھا جو اس "عرصۂ محشر" میں بھی خاموشی سے ادب اور قلم کی میراث کو اپنا "زادِ راہ" بلکہ "زادِ آخرت" سمجھ کر سینے سے لگائے ہوئے تھا — گویا یہ ایک پوری نسل کی مشقت و جانفشانی سے کمائی ہوئی دولت کا "محافظ دستہ" تھا، جو تعداد کے اعتبار سے بہت کم لیکن متانت، دور اندیشی اور بردباری کے لحاظ سے بہت "باوزن" اور "بھاری بھرکم" تھا — یہ طبقہ اپنے پیش رووں کے ترکے کا امین بھی تھا اور ایک ایسے سلسلۂ زنجیر کی حیثیت بھی رکھتا تھا جس نے زمانۂ ماضی کے رشتے حال سے جوڑنے میں نمایاں اور مثبت رول ادا کر کے اپنے عصری تقاضوں کی تکمیل بڑی پامردی، پابندی اور مستقل مزاجی کے ساتھ کر کے گویا اپنے فرائض سے سبکدوشی حاصل کر لی تھی

ملک کے بدلتے ہوئے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات اردو زبان و بیان اور شعر و ادب کی قدروں میں بھی نمایاں تبدیلی کے محرکات میں شامل ہیں۔ عصری تقاضوں اور مسائل نے زندگی کے نئے مطالبات کو جنم دیا تو فکر و آگہی نے بھی نئی کروٹ لی اور شعر و ادب بھی ان سے قدرے متاثر ہو کر فنکاروں اور قلم کاروں کی ہمہ جہتی توجہ کے متقاضی ہوئے، وقت کے انھیں تقاضوں نے نوجوان نسل کے ان نمائندہ ادیبوں اور شاعروں کو اپنا اپنا نوشتۂ دیوار پڑھنے پر مجبور کر دیا جو سلام مچھلی شہری کے ہمعصروں اور ہم جلیسوں کی فہرست میں شمار ہوتے ہیں۔ عمیق مطالعہ، دانش و بینش اور وقت سے آگے بڑھ کر ادبی قدروں کا تعین کرنے میں سلام مچھلی شہری اپنے دوسرے ہم عصروں اور ہم عمروں میں نمایاں، منفرد اور ممتاز حیثیت کے حامل ہیں — عصری آگہی کو شعر و ادب کا پیکر عطا کرنے، روایت و درایت کا توازن برقرار رکھنے اور اردو نظم و غزل کی ہیئت و ساخت میں نت نئے تجربے کرنے میں وہ حدِ درجہ کمال رکھتے تھے۔ ان خصوصیات کے پیشِ نظر انھیں نئے دور کی شاعری کا "مجدد" کہنے میں کوئی اختلاف نہ ہونا چاہیے۔

سلام شیرازِ ہند جونپور کے قصبہ مچھلی شہر میں ایک متوسط الحال علمی گھرانے کے فرد مولوی عبدالرزاق کے گھر یکم جولائی ۱۹۲۱ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی گھریلو تعلیم کے بعد والد کی خواہش مطابق قرآن پاک حفظ کیا اور اردو مڈل میں نمایاں کامیابی حاصل کر کے سرکاری وظیفہ کے

مستحق ٹھہرے۔ تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں انگریزی تعلیم کے لئے فاربس ہائی اسکول فیض آباد بھیجے گئے جہاں ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی اور نجی طور پر متعدد اردو کے امتحانات پاس کیے ۱۹۴۲ء میں الہ آباد یونیورسٹی کے شعبہ علوم مشرقیہ کی لائبریری میں ملازم ہوئے جہاں انھیں مطالعے اور علمی استعداد میں مزید اضافے کا موقع ملا۔ اسی سال لکھنؤ یونیورسٹی کے رسالہ "مضراب" کی ادارت کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور "ماسٹر وائس" لکھنؤ برانچ و بی بی سی لندن سے بطور گیت کار و شاعر معاہدہ (CONTRACT) کیا۔ سنہ ۱۹۵۱ء میں بحیثیت فیچر رائٹر ریڈیو کشمیر (سری نگر) گئے کچھ دن وہاں رہ کر پھر لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن واپس آ گئے اور آخر تک اردو مجلس و "ایکسٹرنل سروسز ڈویژن وغیرہ سے وابستہ رہے۔ سلام کو ان کی بے لوث ادبی خدمات کے اعتراف میں حکومت ہند نے سنہ ۱۹۷۳ء میں "پدم شری" کا خطاب عطا کیا تھا۔

سلام نے عرصہ تک جگر کے عارضہ میں مبتلا رہ کر ۱۹ ر نومبر سنہ ۱۹۷۳ء کو دہلی ہی میں انتقال کیا۔

سلام کی شاعری کا آغاز دوران قیام فیض آباد کم سنی اور زمانہ طالب علمی میں ہوا تھا ان کی پہلی نظم "نیرنگ خیال" میں شائع ہوئی تھی۔ سنہ ۱۹۳۶ء میں ترقی پسند تحریک سے متاثر ہوئے اور شعر و ادب میں نئی راہوں، اعلیٰ معیار اور ہیئت کے تجربات و جستجو میں لگ کر وطن پرستی انسان دوستی، اور آفاقی اخوت کے نغمے گا کر اپنی انفرادیت و عظمت کا سکہ جما لیا۔ نظم معرا کی طرف توجہ کرنے والوں اور سنہ ۱۹۴۷ء سے قبل آزاد نظم میں شہرت و مقبولیت حاصل کرنے والوں میں سلام کو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ انھوں نے بیشتر اصناف شاعری پر کامیاب طبع آزمائی کی ہے جن میں نظم۔ غزل۔ منظوم تراجم۔ قطعات۔ گیت وغیرہ شامل ہیں۔

سلام نے اپنا دو حصوں پر مشتمل مجموعہ کلام ترتیب دیا تھا۔ پہلے حصہ کا نام "پھول" اور دوسرے کا نام "انگارے"۔ انگارے کی وطنی، قومی اور انقلابی نظمیں غیر ملکی سامراج برداشت نہ کر سکا اور اسے طباعت سے قبل ہی ضایع کرا دیا گیا۔ صرف رومانی نظموں والا حصہ لکھنؤ سے شایع ہوا تھا اس کے بعد دوسرا مجموعہ "وسعتیں"، مکتبہ اردو۔ لاہور سے شایع ہوا جس میں

نظموں کے علاوہ چند غزلیں بھی شامل تھیں۔ ۱۹۴۳ء میں گیتوں کا مجموعہ "پائل" ساقی بک ڈپو دہلی نے شائع کیا تھا۔ ان کے علاوہ "تین ہیرے"۔ "بازوبند کھل کھل جائے" اور "اجنتا کی گونج" ریڈیائی ڈرامے اور ناولٹ وغیرہ ان کی مطبوعہ نثری تخلیقات ہیں۔

عرفان عباسی

"اسپتال"

میں جس جگہ ہوں وہاں زندگی معمہ ہے
ابھی تو نوحہ ابھی دل نواز نغمہ ہے
ابھی حیات، ابھی موت، ابھی سکوں، ابھی غم
یہ اسپتال کی دنیا عجیب دنیا ہے
ہر ایک نرس کے لب پر ہنسی سکھائی ہوئی
جو ڈاکٹر ہے وہ اپنے تئیں مسیحا ہے
بیان شوق کی صبحیں نہ عرض حال کی شام
بڑی اداس سی رہتی ہے اسپتال کی شام
سویرا آئے تو دل میں دبی دبی امید
پھر اس کے بعد وہی غم وہی ملال کی شام
میں چاہتا ہوں یہاں بھی ہمیشہ آتی رہیں
امید شوق کی صبحیں، حسیں خیال کی شام
جو ہوں مریض انھیں راحت دکھائی دینے لگے
ہر اسپتال میں جنت دکھائی دینے لگے

●●

"زندگی"

وہی فضا وہی چہرے۔ نموش نرسنگ ہوم
میں سو رہا تھا کہ کھڑکی کے پاس پیپل سے
نسائی نقرئی آواز ہولے ہولے اٹھی
بڑی اداؤں سے میرے قریب آنے لگی
سحر قریب تھی سورج نکلنے والا تھا۔،
میں چاہتا تھا کہ اس صوت نقرئی کو چھوؤں
مگر وہ لوٹ گئی پائلوں کے سرگم میں۔،
دمک رہا تھا سرِ آسماں حسین سورج
گھنیرے پتوں میں چھپ کر کوئی یہ کہتا تھا
میں وہ خیال حقیقت فروز ہوں جس کو
ابھی سلام بھی منظوم کر نہیں پائے۔

"نذرِ علی گڑھ"

شکر ہے آج کے اس دورِ جنوں میں بھی سلام
اب بھی اندیشہ و شبہات کے طوفانوں میں
اہلِ نفرت کے لئے قوسِ قزح کی صورت
اس کے پرنور مناروں کو بہ ایں حسنِ بہار
زندہ باد اے مرے دیوانۂ منزل! خوش باش
ان خیالات سکوں بخش کے باوصف سلام
اپنی یہ بزم حسیں، چرخ حسیں، ہم بھی حسیں
ایک ہی موضوع ہے پر سوچ رہے ہیں کچھ اور
اک یہی اپنا گلستاں ہے، یہی اپنی فضا
باغبانوں کے ارادے تو مبارک ہوں گے

فکر و دانش کی کوئی بزمِ ضیا بار تو ہے
عزم و اخلاص کی اک آہنی دیوار تو ہے
ایک پھولوں کی لچکتی ہوئی تلوار تو ہے
یادِ ہنگامۂ دورِ رسن و دار تو ہے
اب بھی ٹوٹی ہوئی زنجیر میں جھنکار تو ہے
فکر ہے یہ بھی کہ موسم کا تقاضا کیا ہے
گیسوئے ناز میں پھر ابر سا الجھا کیا ہے
ہم سفر ہیں تو یہ شبہات کی دنیا کیا ہے
باغبانوں کا خدا جانے ارادہ کیا ہے
سوچنا یہ ہے کہ خود پھولوں میں جھگڑا کیا ہے

تیر پھولوں کا ابھی دل میں چبھا ہے کہ نہیں
میں نے کچھ "بزمِ علی گڑھ" سے کہا ہے کہ نہیں

"لکھنؤ یاد تو آتا ہوگا"

اے نگاران چمن زار اودھ
لکھنؤ یاد تو آتا ہوگا

اے مرے کھوئے ہوئے مہ پارو — تم اسی طرح چمکتے ہو گے
اے مری قوس قزح کے ٹکڑو — تم اسی طرح دمکتے ہو گے

اب بھی وہ آنکھ شرابی ہوگی — اب بھی وہ ہونٹ مہکتے ہوں گے
اب بھی زلفوں میں وہی خم ہوگا — اب بھی وہ پاؤں بہکتے ہوں گے

میری تخییل کی نازک شمعو — نئے پروانے تو آتے ہوں گے
رنگ و نکہت کی حسیں محفل میں — مجھ سے دیوانے تو آتے ہوں گے

گلشن نو کے جواں پھولوں میں — یہ ملاقات مبارک تم کو
حسن کی صبح تمھیں راس آئے — عشق کی رات مبارک تم کو

لیکن اس بار سرِ آئینہ   جب کہ تم آؤ سنورنے کے لئے
اور جب تیز ہوا کی زد میں   زلف مچلی ہو بکھرنے کے لئے

اپنے گیسو سے خفا مت ہونا   آئینہ خود تمھیں بتلائے گا
بال کیوں بکھرے ہیں کیوں آنکھ ہے نم   راز یہ سامنے آ جائے گا

جا بجا پھیلا سا کوئی شاعر   تم سے پوچھے گا مزاج اچھے ہیں
خیریت سے تو ہے شمعوں کا جمال   نئے پروانوں کے دل کیسے ہیں

کوئی چھپ چھپ کے پسِ پردۂ دل
آج بھی تم کو بلاتا ہوگا
اے نگارانِ چمن زارِ اودھ
لکھنؤ یاد تو آتا ہوگا

"سیاح سے"

یہ عمارات، یہ ایوان، یہ پتھر کے نقوش
عہد ماضی کے ہیں شہ کار نہ دیکھ اے سیاح!
یہ حسیں صبح، یہ ہر چیز میں "نیچر" کے نقوش
منظر وادیٔ و گلزار نہ دیکھ اے سیاح!

آ اسی سر بہ فلک نقرئی ایواں کے قریب
ڈائری کو تری اک اور بھی عنواں دے دوں
ہاں اسی دل کشی صحن گلستاں کے قریب
تجھ کو تفریح کے کچھ اور بھی ساماں دیدوں

یہ جو کھیتوں سے چلی آتی ہے شیریں آواز
بھوک اور پیاس کا تھرّایا ہوا نغمہ ہے
جس نے کی ہے ابھی اس سادہ فضا میں پرواز
مضطرب روح کا گھبرایا ہوا سایہ ہے

ہاتھ جمنا کے ابھی جس نے یہاں جوڑے ہیں
تجھ کو حیرت ہے کہ وہ آدمی مردہ کیوں ہے
جس نے کچھ پھول گلستاں سے ابھی توڑے ہیں
تو نے پوچھا ہے وہ دوشیزہ فسردہ کیوں ہے

دیوتا اور شہنشاہ کے سایوں ہی میں
یہ عمارات، یہ نظّارے پلے ہیں سیاح!
انھیں ایوان و طرب گاہ کے سایوں ہی میں
کتنے انسان یہاں چیخ رہے ہیں سیاح!

"کشمکش"

زندگی آج بھی اک مسئلہ ہے
نہ تخیل، نہ حقیقت، نہ فریب رنگیں
گیت قربان کئے
شعلۂ دل نذر
نغمۂ خواب دیئے
پھر بھی یہ مسئلہ ہے
گیت موسم کا، حسین جسم کا،
خوابوں کا ــــ جسے
میں نے اور میرے ہم عصروں نے گایا تھا۔ اسے
زندگی سنتی نہیں
سن کے بھی ہنس دیتی ہے
آگ، جذبات کی آگ
دل نشیں، شبنمیں، معصوم خیالات کی آگ

پنے قصبے کی کسی درد بھری رات کی آگ
زندگی آج بھی ہر آگ پہ ہنس دیتی ہے
کون جانے کہ مری طرح ہو مرغوب اسے
درد دل ۔ نشۂ مئے ،
زندگی آج بھی اک مسئلہ ہے
اور اسے حل ہونا ہے
میں اگر نزع میں ہوں ۔ حل اسے کل ہونا ہے
دل یہ کہتا ہے کہ لے جائے جہاں رات چلو
اور سائنس یہ کہتی ہے مرے ساتھ چلو ۔

"محدود سرخیاں"

یہ پھول۔ یہ کلیاں۔ یہ سبزہ کچھ دور یہ شاما کے نغمے
یہ چاند۔ یہ تارے۔ یہ بادل کچھ دور یہ زہرہ کے نغمے
یہ جھیل۔ یہ چشمہ۔ یہ وادی کچھ دور یہ دریا کے نغمے
ایسے میں جو "منظر فطرت" پر اک نظم لکھوں تو کیسی ہو
یہ آم۔ یہ جامن۔ یہ بارش کچھ دور کسانوں کے نغمے
بالوں کی گھنی محفل سے پرے یہ نازک دھانوں کے نغمے
کچھ دور ندی کے پورب میں خاموش مکانوں کے نغمے
اور ایسے میں "منظر فطرت" پر اک نظم لکھوں تو کیسی ہو
یہ چاندنی۔ یہ سیمیں لمحے کچھ دور فضا میں نغمہ سا
یہ وقت۔ یہ چھت۔ یہ تنہائی جیسے کہ ہوں میں کھویا کھویا
یہ میز پہ شیلے کی نظمیں اور دھیان میں کالج کی زہرہ
ایسے میں جو "حسن والفت" پر اک نظم لکھوں تو کیسی ہو

مٹی کے یہ گھر - یہ آبادی - یہ سرو مسرت کی دنیا
کچھ دور منگیتر کا میری چکی پہ محبت کا نغمہ
اور میں کہ صدا سے چکی کی کچھ گھبرایا کچھ بے پروا
اور ایسے میں "حسن و الفت" پر اک نظم لکھوں تو کیسی ہو

یہ مہماں داری کی گھڑیاں - یہ تاج محل کا کاشانہ
یہ میز یہ کرسی - یہ بجلی - یہ موپاساں کا افسانہ
دنیا کے نمایاں حصّے میں دنیا والوں سے بیگانہ
ایسے میں جو "اپنی حالت" پر اک نظم لکھوں تو کیسی ہو

یہ میرے محلے کی گلیاں - قصبے کی یہ مبہم رعنائی
یہ شمع یہ تخت - یہ جاڑے میں سب گھر والوں کی یکجائی
کچھ دور انگیٹھی سے میری یہ سوچ، یہ پھیکی انگڑائی
ایسے میں جو "اپنی حالت" پر اک نظم لکھوں تو کیسی ہو

میری فطرت

ابھی ابھی میری آنکھوں میں اشک بھر آئے
ابھی ابھی میں مسرت سے مسکرا اٹھا
ابھی کہ بھٹی مری تخئیل زلف آوارہ
میں ایک شعر، نیا شعر گنگنا اٹھا

خاموش رہو

لاچار ہوں دکھیا ہوں بابو
دو روز سے بھوکا ہوں بابو
"خاموش رہو"

اندھے کی خبر بھی لو بابا
اللہ کے نام پہ دو بابا
"خاموش رہو"

سرکار یہ بھاری بوجھا ہے
ایک آنہ اس کا تھوڑا ہے
"خاموش رہو"

کیا چھوت ہے بابا جانے دو
مندر میں پھول چڑھاتے دو
"خاموش رہو"

چاند چھپ گیا

مسکرا کے بادلوں میں ماہتاب کھو گیا
ایک گل فشاں خیال ایک خواب کھو گیا
گلشن حیات کی بہار کو نکھار کر
نکہتوں سے زندگی کی کلیں سنوار کر

جیسے آسمان کا حسیں گلاب کھو گیا
مسکرا کے بادلوں میں ماہتاب کھو گیا
ایک گل فشاں خیال ایک خواب کھو گیا
موج رنگ و نور سی بکھیر کر ہواؤں میں
سونی سونی زندگی کی منتشر فضاؤں میں

ملکۂ فلک کا پیکر شباب کھو گیا
مسکرا کے بادلوں میں ماہتاب کھو گیا
ایک گل فشاں خیال ایک خواج کھو گیا

جیسے کوئی خط لکھا ہو میں نے اضطراب میں
اور آگیا ہوان کا تحفہ بھی جواب میں

چاند چھپ گیا کہ وہ حسیں خواب کھو گیا
مسکرا کے بادلوں میں ماہتاب کھو گیا
ایک گل فشاں خیال ایک خواب کھو گیا

OO

مآلِ رقصِ شرر

تمھاری قوتِ زر پھول جیت سکتی ہے
تمھاری قوتِ زر چاند جیت سکتی ہے
تمھاری قوتِ زر حسن جیت سکتی ہے
مگر تم آگ سے ڈرتے ہو
اور آگ تمھیں
وہیں ملے گی جہاں پھول مسکراتا ہے
حسین چاند دمکتا ہے
حسن گاتا ہے
تمھی پہ بار تھی موجِ نسیم و موجِ بہار
تمھی گلوں میں شراروں کا اب نظارہ کرو
تصورِ گل و لالہ بدل دیا ہے اگر
تو اس کا ردِ عمل بھی تمھیں گوارا کرو ــــــ!
گلاب ایک علامت ہے رنگ و نکہت کی

حسین چاند نشانی ہے خیر و برکت کی
ہر ایک حسن ہے تصویر حسن فطرت کی
مگر نہیں یہ گماں ہے کہ تم خرید و گے
حسین پھول ——— حسین چاند

اور حسیں رخسار !

چلو خرید لو، لیکن یہ بات یاد رہے
کہ تم کو آگ سے نفرت ہے

اور انگارے
تمھاری قوت زر کو تباہ کر دیں گے

گلوں میں آگ ہے
تاروں میں آگ
حسن میں آگ — !
——— چلو یہ ٹھیک ہے سب سے امیر لوگ ہو تم
تمام دہر کی رعنائیاں تمھاری ہیں
چلو یہ ٹھیک ہے اس دور انتشار میں بھی
جواہرات کی سب منڈیاں تمھاری ہیں
مگر یہ برق، ——— یہ آہن، ——— یہ آگ،
اور دھواں
تمھاری اپنی تباہی کے بن رہے ہیں نشاں

OO

ابھی ابھی مرے بچے کے نرم و نازک ہونٹ ـــــ
تمھیں خبر ہے کہ کس طرح مسکرائے ہیں
ابھی ابھی مرے اندر کے ایک شاعر نے
تمھیں خبر ہے کہ کیا گیت گنگنائے ہیں
خرید لو مرے بچے کے ہونٹ کی یہ ہنسی
خرید لو مرے اندر کے گیت کی یہ خوشی
خرید پاؤ تو بے شک خرید لو لیکن
تمھاری قوت زر کیا ہے ہم بھی دیکھیں گے
مآل رقص شرر کیا ہے، ہم بھی دیکھیں گے ـــــ؟!

OO

عوام

کھڑے ہو آج جس تہذیب کے اونچے منارے پر
سجایا ہے اسے شاید ہمیں بدنام لوگوں نے
جدھر سے چل کے تم پہنچے ہو ان زریں منازل تک
دکھائی ہے تمھیں وہ راہ ہم ناکام لوگوں نے
تمھاری بزم ذہن و فکر کی آرائشیں کی ہیں
ہم ایسے ہی اسیر گل، اسیر جام لوگوں نے
تمھارے جادۂ گل رنگ کی یہ احمریں شمعیں
جلائی ہیں ہم ایسے ہی اسیر دام لوگوں نے
کسی انداز سے لیکن تمھیں پہنچا دیا ہو گا
نئی دنیا، نئے انساں کا یہ پیغام لوگوں نے
کہ اکثر اپنے ہی تخئیل کے خوش رنگ پھولوں کو
مسل کر پھینک ڈالا ہے بوقت شام لوگوں نے

بٹھا کر معبد زریں میں خود نوریں خدا اُس کو
کیا ہے کس طرح خود ہی انھیں ناکام لوگوں نے
حسیں تعبیر دو یا تم ہمارے خواب لوٹا دو
ہماری معرفت بھیجا ہے یہ پیغام لوگوں نے!

○○

ناخدا خفت است

سحر کے بعد اچانک ہوا کچھ ایسی چلی
کہ گلستاں میں ہر اک سو غبار چھانے لگا
ابھی سنور بھی نہ پائے تھے صبح کے گیسو
کہ ابر وقت بہ رنگ شرار چھانے لگا

اس انجمن میں بہ ایں اہتمام آرائش
نہ جانے کیوں وہ خوشی کی فضا نہیں ملتی
شراب سامنے رکھی ہے پی نہیں سکتے
رباب چھیڑ رہے ہیں، صدا نہیں ملتی

ہماری بزم ہے ہم بزم کو ترستے ہیں
ہمارا ساز ہے ہم گیت سن نہیں سکتے
ہماری صبح طرب ہے، ہمیں فسردہ ہیں
ہمارا باغ ہے ہم پھول چن نہیں سکتے

مگر گمان ہے پھر بھی یہ باغبانوں کو
کہ ہم تو جلوۂ حسنِ بہار دیکھیں گے
گل و سمن کو خبر کر دو، نسترن سے کہو
چمن کے دوست چمن کا فرار دیکھیں گے

خوشا کہ طائرِ زرّیں قفس کو توڑ چکا
ہزار حیف ابھی بال و پر کی حاجت ہے
زہے نصیب یہ نظارۂ بہشت نظر
ہنوز عظمتِ ذوقِ نظر کی حاجت ہے

کوئی بتاؤ یہ خوش فہم پہرہ داروں کو
کہ اب بھی قصر ہمالہ میں چور بیٹھے ہیں
غریب مادرِ گنگ و جمن کے سینے پر
کسے ہوئے وہی ریشم کی ڈور بیٹھے ہیں

ابھر چکی ہے جو بحرِ افق کے ساحل پر
وہ کشتیِ سحرِ نور نگار ڈوب نہ جائے
بچا کے لائے ہیں جس کو بھنور کے چنگل سے
وہ ناؤ پھر مرے پروردگار ڈوب نہ جائے

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتہ است

OO

ڈرائنگ روم

یہ سینری ہے، یہ تاج محل، یہ کرشن ہیں اور یہ رادھا ہیں
یہ کوچ ہے، یہ پائپ ہے مرا، یہ ناول ہے یہ رسالہ ہے
یہ ریڈیو ہے، یہ بجلی ہے، یہ میز ہے یہ گلدستہ ہے
یہ گاندھی ہیں، ٹیگور ہیں یہ، یہ شاہنشہ، یہ ملکہ ہیں!
— ہر چیز کی بابت پوچھتی ہے، جانے کتنی معصوم ہے یہ
ہاں اس پر رات کو سونے سے میٹھی میٹھی نیند آتی ہے
ہاں اس کے دبانے سے بجلی کی روشنی گل ہو جاتی ہے
سمجھی کہ نہیں، یہ کمرہ ہے ہاں میرا ڈرائنگ روم ہے یہ
— اتنی جلدی مزدور عورت! آخر یہ گلے میں باہیں کیوں
لے دیر ہوئی اب بھاگ بھی جا، بس اتنی محبت کافی ہے
اس ملک کے بھوکے پیاسوں کو پیسے کی حاجت کافی ہے
اتنی ہنس مکھ خاموشی، اتنی مانوس نگاہیں کیوں
میں سوچ رہا ہوں کچھ بیٹھا پائپ کے دھوئیں کے بادل میں
میں چھپ سا گیا ہوں اک نازک احساس کے میلے آنچل میں

OO

جنگل کا ناچ

جنگلی لباس میں ایک پیکر گداز چل رہا ہے جھاڑیوں میں سانپ جھوم جھوم کر
اڑ رہا ہے مور اپنے بال چوم چوم کر

جھیل مانگنے لگی شام کی ہوا سے ساز!
ایک بار ـــ تین بار
دست صندلی اٹھے پاؤں لہر کھا گئے
جسم ناز کے شرار
جھیل کے کنارے مست ہو کے ناچنے لگے جنگلی جوان شام کو سکون پا گئے
جھونپڑوں سے اپنے اپنے ساز لے کے آ گئے

آسماں سے چاند اور ستارے جھانکنے لگے!
چاندنی میں جاگ اٹھی
سو رہی تھی صبح سے بول کیسے خواب تھے
میرے "بدھ" کی مورتی
جھاڑیوں سے سرخ، زرد پھول توڑ توڑ کر ایک بار۔ تین بار اور اب تو بار بار
مورتی پہ جنگلی حسینہ کرتی ہے نثار

چشم ولب کے رقص پر ہاتھ موڑ موڑ کر!

رقص کی شراب میں
سانپ مست ہوگیا   اور مور سوگیا
عکس ماہتاب میں
ایک پیکر گداز ناچنے لگا   ڈھولکوں کی مست چیخ اور تیز ہوگئی
جنگلی حسینہ اور شعلہ ریز ہوگئی

مورتی کا دیوتا خود ہی مسکرا اٹھا!

اور جیسے چونک کر
رقص بند ہوگیا   کس قدر غرور تھا
کامیاب رقص پر!

OO

عہد گل

آگ کا ذکر ہی کیا، جلتی ہے بجھ جاتی ہے
پھول مرجھائے تو خوشبو نہیں جانے پاتی!
تم کھلو، تم بھی ہنسو، تم بھی مچل کر مہکو
اپنا یہ عہد ہے، دھرتی کے حسیں دامن پر
اب جہاں تک بھی نظر جائے گلستاں ہوگا
یا گل و لالہ کے مفہوم بدل جائیں گے
یا ہمیشہ کے لئے دورِ بہاراں ہوگا
آسماں پھول پڑھائے گا جلائے گا کنول
نکہت و نور کا معبود اب انساں ہوگا!
آگ کی بات پہ دھرتی کو ہنسی آتی ہے
آگ خود اپنی ہی فطرت کی سزا پاتی ہے
آگ کا ذکر ہی کیا جلتی ہے بجھ جاتی ہے
فصل گل، موسم پر نور کی باتیں چھیڑو
ذکر فردوس کرو، حور کی باتیں چھیڑو

تم کھلو، تم بھی ہنسو، تم بھی مچل کر مہکو
عہد حاضر کے خلیلوں کا ارادہ یہ ہے
اب نہ یادِ دل ہی کہیں ہوں نہ کہیں آتش و دود
اس طرح مہکو کہ طوفانِ بہاراں بن جاؤ
وادیٔ گل میں نظر آئے نہ کوئی نمرود!
تم کھلو، تم بھی ہنسو، تم بھی مچل کر مہکو
تم اٹھو، تم اٹھو، تم سب ہی مرے ساتھ اٹھو
ہمیں خوشبو ہیں، ہمیں نور، ہمیں نغمہ ہیں!
آؤ اب تیز کریں قافلۂ صبحِ بہار
آؤ اب تیز کریں قافلۂ صبحِ بہار
آؤ اب تیز کریں قافلۂ صبحِ بہار!!

قطعہ:

نقش

ایک نقاش لئے بیٹھا ہے رنگ اور قلم
اور کچھ دور، بھکاری کی صدا آتی ہے
بھیک دیتے ہوئے معصوم حسینہ کی نظر
ایک مفلس کی جوانی سے بھی شرماتی ہے

حسن تنہا نہیں

زلف شبگوں کی یہ نکہت دل نشیں
لب نازک پہ یہ موجۂ احمریں
ماہ تاباں بہ رخ، کہکشاں بر جبیں

حسن۔ اور حسن کی اس ادا کی قسم
آج جاگے گی بزم محبت کہیں!

'بول' اک گیت ہے 'سانس' اک ساز ہے
آج اک بانکپن ایک انداز ہے
آج کچھ بات ہے آج کچھ راز ہے

میرا دل کہہ رہا ہے خدا کی قسم
آج آئے گی شاید قیامت کہیں

آج ہر پھول جیسے کرن پھول ہے
آج سرکار کا ہر سخن پھول ہے
آرزو ایک خوشبو بدن پھول ہے

ساتھ دیتی ہوئی اس فضا کی قسم
آج دم لے گی جلوؤں کی شدت کہیں

حسن خود بیں سہی حسن تنہا نہیں
شمع جیسی بھی ہو بن پتنگا نہیں
ان دنوں اہل دل کا بھروسہ نہیں

دیکھنا اس مچلتی حیا کی قسم
آنہ جائے کسی کی طبیعت کہیں

آج جو بھی ادا ہے وہ منظوم ہے
پھر بھی یہ حسن باذوق معصوم ہے
آج کیسا زمانہ ہے معلوم ہے؟

وقت کی بہکی بہکی ہوا کی قسم
لٹ نہ جائے گل نو کی عظمت کہیں!!

○○

مجھے وہ نظم لکھنی ہے

مجھے وہ نظم لکھنی ہے

کہ ہر انداز موسیقی سے دہرایا کروں جس کو
مگر اکتا نہ جاؤں بار بار اپنے ہی گانے سے
یوں ہی بس زندگی کے ساز پر گایا کروں جس کو
مگر گھبرا نہ جاؤں زندگانی کے فسانے سے

مجھے وہ نظم لکھنی ہے

کہ جس میں زہرۂ و ناہید سب رقصاں تو ہوں لیکن
کبھی مزدور کے اندوہ گیں رخسار بھی دیکھوں
ہزاروں رقص ہائے دل نشیں پنہاں تو ہوں لیکن
کبھی تلوار کی ہیبت فزا جھنکار بھی دیکھوں

مجھے وہ نظم لکھنی ہے

کہ جس کو موت کی آواز سے نفرت تو ہو لیکن
پیام زندگی کچھ حوصلہ ساماں بھی ہوتا ہو
بہار زندگی غیرت دہ جنت تو ہو لیکن
غریب انسان اس جنت سے کچھ شاداں بھی ہوتا ہو

مجھے وہ نظم لکھنی ہے

○○

کلس برلا مندر کے

سحر کا دھندلکا
بلند اور گھنیرے درختوں کے پیچھے
کلس برلا مندر کے یوں لگ رہے ہیں
کہ جیسے کئی دیوتا آسماں سے
سفید ابر پاروں پہ بیٹھے ہوئے
آسماں سے
زمیں کی طرف آرہے ہوں
ولنگڈن کے سینتیس ۳۷ نمبر کے کمرے کا
یہ سبز پردہ اٹھا کر
میں کچھ دیر سے سوچتا ہوں
"مرا آپریشن تو منگل کو ہوگا
مگر دیوتا برکتیں اپنی لے کر
مرے سات معصوم بچوں کی خاطر
ابھی سے مرے ہی لئے آگئے ہیں"

تو پھر اے اجل کوش بزدل خیالو
مہینوں سے کیوں مجھ کو گھیرے ہوئے ہو
مرے پردۂ ذہن سے اب ہٹو بھی
کہ مجھ کو سحر کا یقیں ہو گیا ہے
یقیناً ابھی کام کرنا ہے مجھ کو
یقیناً ابھی اور زندہ رہوں گا۔

OO

ہاجرہ سے

یہ کیا کہ "میں غریب ہوں"، بڑی ہی مردہ دل ہو تم
مری بہن تو ہو مگر بہت فسردہ دل ہو تم

مجھے بھی فکر چاند آج مضمحل ہے، زرد ہے
تمھیں بھی سوچ، رخ پہ کیوں تمھارے اتنی گرد ہے
مجھے بھی فکر تم میں کیوں لطیف شوخیاں نہیں
تمھیں بھی غم تمھارے پاس کیوں سہیلیاں نہیں
غریب و بدنصیب ہو، مگر یہ کیا ضرور ہے
"خوشی تو میرے بھائی جان! خواب سے بھی دور ہے"

خوشی یہی کہ قیمتی لباس زیب تن کروں
حسین زیورات سے نگارش بدن کروں
خوشی یہی کہ پارٹی سے ہال کو سجاؤں گی
ہر ایک کام پر کسان عورتیں بلاؤں گی
خوشی یہی کہ دلفریب ناولوں میں کھو رہوں
نہیں تو فلم کے حسین گیت گا کے سو رہوں

تمھیں بھی شوق ہے اگر یہی خوش نصیب ہو
تو غم نہیں ہے ہاجرہ! مجھے کہ تم غریب ہو

جہاں بھی غریب ہوں وہاں تمھیں ملال کیوں
خود اپنے اضطراب میں سکون کا خیال کیوں
جو دل میں دکھ کی ٹیس ہے تو راحتوں کا شوق کیوں
ہجوم اشک دیکھ کر تبسموں کا ذوق کیوں؟

بدلنے دو جہان کے الم فزا نظام کو
ابھی نہ غم زدہ کرو مری بہن! سلام کو؟!

OO

قطعہ:

نغمہ

میں نے کل خواب میں جو نظم مکمل کی ہے
تو ہی اے مطرب مدہوش! مجھے بتلا دے
چوڑیاں بجتی ہیں پنگھٹ پہ کوئی آتا ہے
ہاں اسی ساز پہ وہ نغمۂ رنگیں گا دے

OO

مہمان

سجا دو، جگمگا دو آج تم باہر کے کمرے کو
کہ پہلی بار کوئی مجھ سے ملنے آنے والا ہے

مرا مہمان شہر رنگ و بو کا ماہ پارا ہے
اسے ہر زاویہ سے دست قدرت نے سنوارا ہے
لبوں پر اس کے ڈھلتا ہے ترنم آبشاروں کا
نگاہوں میں مچلتا ہے فسانہ لالہ زاروں کا

خرام ناز پر سجدہ کناں مہتاب ہوتا ہے
ہنسی پر اس کی صدقے لالۂ شاداب ہوتا ہے
اگر خاموش ہو تو زندگی خاموش رہتی ہے
اگر بہکے تو دنیا بن پیئے مدہوش رہتی ہے

غرض وہ آنے والا ہے مرے گھر میہماں ہو کر
مجسم اک غزل بن کر بہار جاوداں ہو کر

مگر کمرے سے یہ تصویر جس پر سرخ پردہ ہے
اسے بھی تم سجاوٹ کی غرض سے مت ہٹا دینا
کنیز باوفا ہو، میرے دل کا غم سمجھتی ہو
کسی گوشے میں اس کے ایک شاخِ گل لگا دینا

تمہیں معلوم ہے مہماں جو بن کر آنے والا ہے
اسی نے میرے گیتوں کو بھی انگاروں میں ڈھالا ہے
مگر میں نے تصور میں اسی ناگن کو پالا ہے

○○

مرگِ گل

مریضہ جس کا کمرہ میرے کمرے کے مقابل ہے
بہت بیمار ہے لیکن یقیناً صاحبِ دل ہے
امید و شوق کی ڈھالی ہوئی معلوم ہوتی ہے
مگر دیہات کی پالی ہوئی معلوم ہوتی ہے
سویرے نرس آ جائے تو کچھ گھبرانے لگتی ہے
کوئی گر بھول کر بھی دیکھ لے شرمانے لگتی ہے
پئے تیمار داری ایک لڑکا ساتھ رہتا ہے
"مریضہ" کے دلِ نازک پہ اس کا ہاتھ رہتا ہے
مریضہ چیختی ہے گھر چلو راحت نہیں مجھ کو
وہی اک نرس کچھ مجھ کو بھی گھبرایا ہوا پا کر
مرے گل دان کے پھولوں کو مرجھایا ہوا پا کر
یہی کہتی ہے یہ طرزِ جنوں اچھا نہیں ہوتا
فسردہ پھول رکھنے کا شگون اچھا نہیں ہوتا

مگر میں نرس سے جب پوچھتا ہوں زندگی کیا ہے
تو وہ خود پوچھتی ہے میرے لب پر یہ ہنسی کیا ہے
سدا سے ایک ضدی طفلک خواب بہاراں ہوں
اجل سے لڑ بھی سکتا ہوں کہ اک پر نور انساں ہوں
سبھی کچھ بھول کر بس اس "مریضہ" کا ہے غم مجھ کو
نظر آتے ہیں اس میں شعلہ و شبنم بہم مجھ کو
مقدس نرس آج آئی تو افسردہ تریں آئی
بہت کہنے پہ جب وہ میرے بستر کے قریں آئی
تو یہ بولی "مریضہ" واقعی پھولوں کی پالی تھی
بوقت نزع بھی وہ منچلے خوابوں کی ڈھالی تھی
مثال ماہی بے آب چپ رہ کر بھی مضطر تھا
وہی معصوم لڑکا اس "مریضہ" کا منگیتر تھا
میں شاید توڑ ہی دوں خواب قصد کے چھکوں کو
نہ رکھ پاؤں گا اب گل دان میں شاداب پھولوں کو

○○

مال روڈ۔ لکھنؤ

بہت ہی دلفریب ہیں نظارے مال روڈ کے

یہ پیلی پیلی دیویاں یہ اجلی اجلی لیڈیاں
یہ زرد زرد ساریاں یہ ننگی ننگی پنڈلیاں
یہ جھینپی جھینپی آرزو یہ خنداں خنداں گفتگو
یہ پنہاں پنہاں سا بدن یہ عریاں عریاں سا بدن

یہ حسن جسم نقرئی، یہ شوخیاں، یہ دلبری
یہ پیشہ ور ہی لیڈیاں بہت بھلی ہیں جعفری[1]

ہزار بے نقاب ہوں مسرتیں نصیب ہیں
ہزار بے حجاب ہوں فراغتیں نصیب ہیں
فراغتوں کی دلکشی کہ جیسے رقص زندگی
رواں دواں جوانیاں جوانیوں کی مستیاں

جوانیوں میں سرخ سبز بجلیوں کی چھاؤں ہے
یہیں ہماری زندگی کی تلخیوں کی چھاؤں ہے

---

[1] سلام کے دوست

جوانیوں کی دھوپ میں	حسینوں ہی کے روپ میں
مچل رہی ہے زندگی	ہر ایک سمت جعفری
اجل۔ ارے ابھی نہیں	سہارا لینے دو کہیں
بہت ہی دلفریب ہیں نظارے مال روڈ کے۔!

○○

کیوپڈ

تم اپنے دور سے پہلے کے مہ پاروں سے یہ کہنا
وہ شاعر کون تھا جس کے ترانے اب بھی زندہ ہیں
ہماری جلوہ گاہوں میں ہماری خواب گاہوں میں
یہ کس شہزادۂ دل کے فسانے اب بھی زندہ ہیں
بڑی حیرت ہے ہم تازہ نگاران گلستاں میں
اسی کے تیر کے رنگیں نشانے اب بھی زندہ ہیں
ارادہ ہے کسی سے مل کے اس کی زندگی پوچھوں
اسی سے ملتے جلتے کچھ دوانے اب بھی زندہ ہیں

تمھارے کاروان رنگ و بو کی تیز رفتاری
مجھے معلوم ہے، تم کو پریشاں کرتی رہتی ہے
تمھاری صنف کی تقدیس تم کو نور دیتی ہے
مگر تہذیب منزل سے گریزاں کرتی رہتی ہے

تم آئینے پہ چھا جاتی ہو لیکن میں سمجھتا ہوں
نگاہ آئینہ خود تم کو حیراں کرتی رہتی ہے
تمھاری ہر سجاوٹ، ہر نمائش، ہر طرب کوشی
تمھیں کچھ اور عریاں اور عریاں کرتی رہتی ہے

میں تم سے دور اک بے نور میخانے میں بیٹھا ہوں
مگر تم مجھ کو اپنے آئینہ خانوں میں پاؤ گی
کلب کے تیز برقی قمقمے جب مضمحل ہوں گے
تو میری لوریاں اپنے شبستانوں میں پاؤ گی
حقیقت سیم و زر کی جب تمھیں افسردہ کر دے گی
تو پیغام سکوں میرے ہی افسانوں میں پاؤ گی
تم اس سائنس کی دنیا کی چنچل برق پارہ ہو
مگر تسکیں بھی مجھ ایسے ہی دیوانوں میں پاؤ گی

شعور حسن، آداب لب و رخسار بخشا ہے
وہ میں ہوں جس نے مہ پاروں کو اک معیار بخشا ہے

OO

تتلیاں

پھول بر خود غلط گلستاں کے
جیسے زہرہ کے ہاتھ کی چوڑی
رنگ و بو کے حسین جھرمٹ میں
ہو کے دوپارہ پھول کی پتی
جیسے قوس قزح کا اک ٹکڑا
اور پھر چوم کر گلستاں کو
باغ میں جیسے ایک دوشیزہ
اور پھر بڑھ کے ایک دو جملے
دوست تم کہہ رہے ہو ہم اور وہ
ہاں اگر دوسرے جنم میں ہم

آج کچھ اس طرح سے تھرّائے
ٹوٹ کر آسماں سے گر جائے
کوئی نازک سی چیز لرزاں ہے
شاخ گل کی طرف خراماں ہے
آسماں کی فضاؤں سے آئے
آسماں ہی کی سمت اڑ جائے
کوئی رنگین خط پڑا پا لے
غصّہ میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے
پھر انھیں الفتوں میں کھو جائیں
"تتلیاں" گلستاں کی ہو جائیں!

OO

نغمہ سبو

مل گئے تو مل بیٹھو، کوئی گفتگو چھیڑو
بزم دل فسردہ ہے، سازِ رنگ و بو چھیڑو

کون کس سے بے پروا کون کس سے بیگانہ
یہ سوال رہنے دو، زندگی ہے افسانہ
اور ہر فسانے میں زیر و بم بھی ہوتا ہے
درد حسن ہوتا ہے، حسن غم بھی ہوتا ہے
پر بہار ہو کر بھی سوگوار ہوتی ہے
ایک سی فضا اکثر دل پہ بار ہوتی ہے
میرے شیشہ دل میں اب بھی تم سنورتے ہو
اور مری محبت کی قدر تم بھی کرتے ہو

پھر یہ خامشی کیسی بے سبب ندامت کیوں
یوں رکی رکی سی ہے شوق کی حکایت کیوں
آج اپنا مل جانا اک نیا فسانہ ہے
آ گے پھر وہی تم ہو، میں ہوں اور زمانہ ہے
ساز لالہ و گل پر نغمۂ سبو چھیڑو
داستاں رفیقوں کی قصۂ عدو چھیڑو

OO

قلی

سر سے بوجھ اتار کر ساتھ چھوڑتے ہوئے
اک ذلیل کی طرح ہاتھ جوڑتے ہوئے
وہ بہت ادب سے جب دام مانگنے لگا
میرا دل اور غرور و برہمی سے بھر گیا
کیوں نحیف و نیم جاں کیڑے کو مسل نہ دوں
کیوں ذلیل و بدنصیب کتے کو کچل نہ دوں
بزدلی و بے حسی مفلسی کے روپ میں
اک ذلیل جانور، آدمی کے روپ میں
جرأت اتنی بھی نہیں بڑھ کے شاخ موڑ لے
اپنی محنتوں کا پھل مسکرا کے توڑ لے

○○

نیا سویرا

آج بھی میرے بس میں نہیں روشنی　　اے بہار طلوع سحر کیا کروں
تیری یہ آفتابی فضا خوب ہے　　تھرتھراتی ہے میری نظر کیا کروں
رات مر مر کے کاٹی تھی اس آس میں　　صبح ہوتے ہی دنیا بدل جائے گی
کتنی حسرت سے سوچا تھا بیمار نے　　دو گھڑی میں طبیعت سنبھل جائے گی
آمدِ صبح تو زندگی بخش ہے　　اب چمن کو شکایت خزاں کی نہیں
حسنِ گیتی ہے اہل زمیں کے لئے　　اب حکومت یہاں آسماں کی نہیں
آج بھی جب عروس سحر نے مجھے　　پہلے پہلے افق سے اشارہ کیا
میں نے لمحے ہی بھر میں بہ حدِ نظر　　اپنے خوابوں کا بیہم نظارہ کیا
پھر بھی اے جلوۂ رنگ و بو کیا کروں　　آج بھی میرے بس میں نہیں روشنی
جانے کب سے یہی عالم نزع ہے　　پاس رہ کر بھی کچھ دور ہے زندگی

جانے کیوں چند مخصوص محلوں ہی تک　　یہ شعاعِ مسرت بھی محدود ہے
میرے سورج، مری صبح کے دیوتا　　آج بھی تو امیروں کا معبود ہے
جن الم ناک گلیوں میں آنسو گرے　　اور تڑپ کر شگفتہ کلی بن گئے
جن فسردہ لبوں سے شرارے اٹھے　　اور ہنس کر نئی زندگی بن گئے

آج ان کا بھی کچھ حق ہے اس صبح پر
آفتاب اپنی کرنیں ذرا تیز کر!!

OO

سات رنگ

تصویر وہ بناؤں کہ مسحور ہو سکوں
ایسے خطوط کھینچوں کہ مغرور ہو سکوں

اک نوجواں کو شہر میں تشویش روزگار
اور دور ایک گاؤں میں برسات کی بہار
ہاتھوں میں اک حسینہ کے ٹوٹا ہوا ستار

دریا سے ہٹ کے سامنے چھوٹا سا ایک گاؤں
پگڈنڈیوں سے دور گھنے پیپلوں کی چھاؤں
وہ دھندلی صورتیں وہ میلے میلے پاؤں

موجوں کے رخ پہ چھوٹی سی کشتی رواں دواں
دریا کے اس بہاؤ سے ملاح بدگماں
ساحل کے ایک جھونپڑے میں موت کا سماں

کچھ لوگ محوِ سیرِ چمن زارِ شالیمار
ہنستا ہے سامراج کی دولت کا شاہکار
پھاٹک پہ ہٹ کے، میلے فقیروں کی اک قطار

سونے کا ماہتاب مناروں کے درمیاں
چاندی کا آفتاب چناروں کے درمیاں
اور اک خدا فضائی نظاروں کے درمیاں

زنداں کی ایک شمع پہ پروانے مضطرب
اور اپنی اپنی فکر میں دیوانے مضطرب
باہر حیاتِ تازہ کے افسانے مضطرب

سڑکوں پہ انقلاب کی گونجی ہوئی صدا
کالج کے ایک ہال میں دنیا پہ تبصرا
اک نوجواں کے ہاتھ میں اخبار آج کا

موضوع اتنے جیسے کہ گھبرا رہا ہوں میں
شاید کہ اپنے فکر پہ خود چھا رہا ہوں میں

○○

میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے---

میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں
میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں
اب دکھ درد کے بادل ہوں یا زہریلے انگارے ہوں
میری نظریں سب سہہ لیں گی جیسے بھی نظارے ہوں
آخر پھول بھی کھلتے ہیں ہیں پتھریلی چٹانوں میں
میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں
سن لے اور سجھ بھی پائے غم کے اس افسانے کو
اتنی فرصت کب ملتی ہے اس مصروف زمانے کو
اب کچھ تسکیں ہو جاتی ہے رہ کر ان نادانوں میں
میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں
کس کی آنکھ سے شعلے ٹپکے، کس کے ہونٹ پہ آئے گیت
کیوں لہرا کر رقص میں آئے اور کیسے مرجھائے گیت
کون یہ جانے کتنے راز ہیں پنہاں ہم دیوانوں میں
میں نے ہنسنا سیکھ لیا ہے آنسو کے طوفانوں میں

OO

بادلوں کے گھیرے

زندگی کہیں کھو جا تو بھی اس اندھیرے میں
اک لطیف تاریکی روشنی کا حاصل ہے
جب بھی فصل گل آئی جب بھی ابر چھائے ہیں
یہ سحاب کہتے ہیں تم جو بھتے وہ ہو جاؤ
کتنی کیف ساماں ہے یہ گھٹا غزل چھیڑو
یاد ہے تمھیں پہلے فصل گل جب آتی تھی
نظم کیف پرور نظم اور کیف ساماں نظم
اور میں یہ کہتا ہوں یہ جو ابر پارے ہیں
خواب دیکھ لینے کی پہلے ایک عادت تھی
لیکن ان بہاروں سے زندگی گریزاں تھی
اب ان ہی فضاؤں میں میرے گیت ناچیں گے
شورش جہاں ان کے پاس اب نہ آئے گی

موت کتنی دل کش ہے بادلوں کے گھیرے میں
رقص موت ہی شاید زندگی کا حاصل ہے
میرے عشرت غم کے درد مسکرائے ہیں
پھر تصور زلف سرمگیں میں کھو جاؤ
جل ترنگ پر کوئی کیف زا غزل چھیڑو
بربط تخیل پر نظم گنگناتی تھی
گاہ مریمی نغمہ گاہ ایک عریاں نظم
صرف میرے گیتوں کے کچھ بجھے شرارے ہیں
صرف گیت لکھ لینا جاوداں مسرّت تھی
نظم جتنی دل کش تھی اتنی ہی پریشاں تھی
ہاں ان ہی گھٹاؤں میں میرے گیت ناچیں گے
تیز دھوپ دھرتی کی ان کو چھو نہ پائے گی

روشنی سی ملتی ہے مجھ کو اس اندھیرے میں
زندگی سی ملتی ہے "بادلوں کے گھیرے" میں

○○

سڑک بن رہی ہے

مئی کے مہینے کا مانوس منظر
غریبوں کے ساتھی یہ کنکر، یہ پتھر
وہاں شہر سے ایک ہی میل ہٹ کر — سڑک بن رہی ہے

زمیں پر کدالوں کو برسا رہے ہیں
پسینے پسینے ہوئے جا رہے ہیں
مگر اس مشقت میں بھی گا رہے ہیں — سڑک بن رہی ہے

مصیبت ہے کوئی مسرت نہیں ہے
انھیں سوچنے کی بھی فرصت نہیں ہے
"جمعدار" کو کچھ شکایت نہیں ہے — سڑک بن رہی ہے

جواں، نوجواں اور خمیدہ کمر بھی
فسردہ جبیں بھی بہشت نظر بھی
وہیں شام غم بھی، جمال سحر بھی   سڑک بن رہی ہے

"جمعدار" سائے میں بیٹھا ہوا ہے
کسی پر اسے کچھ عتاب آگیا ہے
کسی کی طرف دیکھ کر ہنس رہا ہے   سڑک بن رہی ہے

یہ بیباک الفت یہ الھڑ اشارہ
"بسنتی" نے "رامو" تو "رامو" سے رادھا
"جمعدار" بھی ہے بسنتی کا شیدا   سڑک بن رہی ہے

جو سر پہ ہے پگڑی تو ہاتھوں میں ہنٹر
چلا ہے "جمعدار" کس شان سے گھر
"بسنتی" بھی جاتی ہے نظریں بچا کر   سڑک بن رہی ہے

سمجھتے ہیں لیکن ہیں مسرور اب بھی
اسی طرح گاتے ہیں مزدور اب بھی
بہر حال واں حسب دستور اب بھی   سڑک بن رہی ہے

OO

جواب

سوال یہ ہے کہ اس جوہری زمانے میں
ہم اک مشین ہیں انساں ہیں یا جنازے ہیں؟
کبھی یہ فرض کہ پہیوں کی طرح چلتے رہو
کبھی یہ فکر شبِ ماہ میں بھی جلتے رہو
کبھی یہ سوچ یوں ہی میتوں میں ڈھلتے رہو

مگر یہ بات کہ اس منزلِ تمدن میں
ہمارے قدموں پہ مہتاب جھکنے والا ہے
جہاں فضائیں بقیں مردہ جہاں اندھیرا تھا
وہیں بہار ہے نغمات ہیں، اجالا ہے
ہمیں مصورِ فطرت نے زندگی دی ہے
تو ہم نے بھی اسے ان پیکروں میں ڈھالا ہے

ملا خلوص پرستش کا یہ صلہ آخر
خدا کو پوج کے ہم بن گئے خدا آخر

یہ دور اپنے تخیّل کا کارنامہ ہے
حیات کس نے کہا ہے کہ اک فسانہ ہے

فسردگی ضیا کوش بھی مبارک ہے
بہ نام صبح ہمیں تیرگی مبارک ہے

OO

سلمیٰ[1]

میرے آنگن میں جو بیلے کا حسیں پودا ہے
اس میں اک پھول ہے اور تین سہانی کلیاں
اک کلی زرد ہے، بیمار ہے افسردہ ہے

ان کو چھوتی ہوئی لہراتی ہے جب موجِ سحر
مسکرا اٹھتے ہیں لب، رقص میں آتی ہے نظر
یاد آتا ہی نہیں مجھ کو مرا زخمِ جگر

سوچتا ہوں کہ یہ نکہت ہے تو پھر غم کیا ہے
پھول ہنستے ہیں تو کیوں سوچوں کہ شبنم کیا ہے
اک خلش، ایک چبھن دل میں یہ کم کم کیا ہے

---

[1] سلام کی بیٹی - پروین سلام

اسی عالم میں وہ بیمار کلی کہتی ہے
باغباں! مجھ کو بھی اک پیار کا بوسہ دیدو
ساز ہوں، لاکھ شکستہ سہی، نغمہ دے دو
شمع ہوں لاکھ فسردہ سہی، جلوہ دے دو

اور پھر "بیلے" سے اک شور فغاں اٹھتا ہے
میرے خوشبو بھرے آنگن میں دھواں اٹھتا ہے
راس پھولوں کا بھی صد حیف نہ انداز آیا
"زندگی چھوڑ دے پیچھا مرا میں باز آیا

۵۵

مجبوریاں

مجھے نفرت نہیں ہے عشقیہ اشعار سے لیکن
ابھی ان کو غلام آباد میں میں گا نہیں سکتا
مجھے نفرت نہیں ہے حسن جنت زار سے لیکن
ابھی دوزخ میں اس جنت سے دل بہلا نہیں سکتا
مجھے نفرت نہیں پازیب کی جھنکار سے لیکن
ابھی تاب نشاط رقص محفل لا نہیں سکتا
ابھی ہندوستاں کو آتشیں نغمے سنانے دو
ابھی چنگاریوں سے برگ گل رنگین بنانے دو

OO

پس منظر

چاند تاروں نے پہن رکھے ہیں کالے برقعے
رات تاریک نہیں صرف گھٹا چھائی ہے
برق کے تار پہ رم جھم ہے کوئی ساز نہیں
وہی موسم ہے جسے کہتے تھے ساون ہم لوگ
ہائے طیارے نے بادل کا جگر چیر دیا
آہ اس ریڈیو نے کر دیا موسم برباد
وہی کل صبح کی خبریں، وہی پرسوں کی پکار
گرم طیارے کو جانا تھا جہاں جا بھی چکا
ریڈیو وقت کا پابند تھا خاموش ہوا
دیکھو پھر چھائے ہیں میخوار گھنیرے بادل
تم بھی لہرا دو دوپٹے کا گلابی آنچل
برق و آہن سے پرے آؤ ذرا دیکھیں تو
پاس کے گاؤں میں شہنائی کہیں بجتی ہے!

اے مرے جام شراب

اکیلے تم ہی جانو — مرا غم کوئی نہ جانے
اے مرے جام شراب!
عمر کی اس منزل آخر میں میرا فیصلہ ہے
زندگی کے مسئلے ہر دور میں زندہ رہیں گے
نقرئی سیلاب ہو
یا احمریں طوفاں مگر ہم
صرف ویرانوں میں تابندہ رہیں گے
اے مرے جام شراب! میرا غم اک تم ہی جانو۔ یا نہ جانو۔ میں تو تم کو جانتا ہوں۔
تم مجھے اک نشہ دو گے
میرے اپنے گھر کی راہیں لوٹ لو گے
مگر میں
نشہ بڑھا تو

خوبصورت جسم
گر پسیجہ رہا تو
ورنہ مجھ کو
میرے اپنے شاعروں کی طرح
وہ منزل دکھاؤ گے
جسے میں جانتا ہوں۔ میں تمھیں پہچانتا ہوں۔ اے مرے جام شراب۔
خیر جو انجام آئے تم مجھے محبوب ہی ہو تم خدانا کردہ میری موت سے منسوب ہی ہو
اے مرے جام شراب!

○○

ہپی ازم

وہی سگریٹ
وہی وہسکی
وہی میں !
وہی چاہت ،
وہی نفرت
وہی میں !!
مجھ سے اچھے تو یہ ہپی ہیں نئی دلّی میں
زیست کا واضح تصور تو کوئی رکھتے ہیں
کم سے کم یہ تو بتاتے ہیں
زندگی فلسفۂ قید ہے چھوڑو اس کو
اور تہذیب بھی زنجیر ہے اس کو

OO

دھرتی امر ہے

ذرا آہستہ بول
آہستہ
دھرتی سہم جائے گی
یہ دھرتی پھول اور کلیوں کی سندر سیج ہے ناداں!
گرج کر بولنے والوں سے کلیاں روٹھ جاتی ہیں
—— ذرا آہستہ چل —— آہستہ
دھرتی ماں کا ہردے ہے
اسی ہردے میں تیرے واسطے بھی پیار ہے ناداں!
برا ہوتا ہے جب دھرتی کسی سے تنگ آتی ہے
—— تری آواز
جیسے بڑھ رہے ہوں جنگ کے شعلے
—— تری چال
آج ہی گویا اٹھیں گے حشر کے فتنے
مگر نادان! یہ پھولوں کی دھرتی غیر فانی ہے
کئی جنگیں ہوئیں لیکن زمین اب تک سہانی ہے

انٹرویو

یہی پطرس کے مضامین کا ہیرو اے دوست!
میرے آغاز تخیل کا خدا تھا شاید!
میں نے معصوم خیالوں کے چمن زاروں میں
یاد پڑتا ہے کہ بچپن میں بلایا تھا اسے
ابھی کچھ روز ہوئے، ایک پریشان سا گیت
بربط ماہ کے تاروں پہ سنایا تھا اسے
اپنے افکار کا معبود بنایا تھا اسے!
آج بھی پھول عقیدت کے چنے ہیں لیکن
نذر کرتا ہوں تو کچھ سوچ رہا ہوں دل میں۔!!

○○

نورزہراب

مجھے زہراب سے سینچو
ہوائے آتشیں کے ساز سے تم مجھ کو بہلاؤ
کہ میں ایسا ہی پودا ہوں
جو زہریلی ہواؤں میں
اجل ساماں فضاؤں میں
اگر پروان چڑھ جائے تو نخل نور بنتا ہے!
—— زمیں کی کوکھ میں شبنم بھی ہے
پھولوں کی خوشبو بھی
وہاں سنگیت کی ندیاں بھی ہیں
شعلوں کی جھیلیں بھی
میں اس دھرتی پہ
اک بے جان، ان جانا سا پودا ہوں

مگر میری جڑیں
سنگیت
خوشبو
نور
اور شعلوں کو چھوتی ہیں ——!!
ابھر کر سینۂ گیتی پہ میں نے زہر ہی پایا،
ہوائے آتشیں نے، ہی ابھی تک مجھ کو بہلایا،
میں عادی ہو چلا ہوں ان اجل ساماں فضاؤں کا
مگر میں روشنی ہوں،
زندگی ہوں،
نور و نکہت ہوں ——!
زمیں کی کوکھ نے شعلوں کی جھیلوں میں جنم دے کر
مجھے کتنی تمناؤں سے اس دھرتی پہ بھیجا ہے
اجل ساماں فضاؤ!
میں ہمہ نور بہاراں ہوں
نمو کی داستان جاوداں ہوں،
غیر فانی ہوں ——!!!

○○

پتھر

اے نئی دنیا! ادھر بھی کوئی نغمہ کوئی شور
زندگی کی ان منازل میں بڑا تنہا ہوں میں

اس سے مل کر دل یہ کہتا ہے کہ یہ پرفن نہیں
جام اٹھاتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ ناگن نہیں
دوست ملتے ہیں تو دل کہتا ہے کترا جائیے
اور غیروں سے یہ کہتا ہوں حضور! آجائیے
پھول آنگن کے جو کھلتے ہیں تو کہتا ہوں کہ جھوٹ
اور گلے بچے بھی ملتے ہیں تو کہتا ہوں کہ جھوٹ
جب کسی عالم میں ہو جاتی ہے اک رنگین غزل
سوچتا ہوں ہو نہ ہو یہ بھی ہے آوازِ اجل
چاند کی جانب بھی آج اٹھتی ہے جب اپنی نگاہ
سوچتا ہوں یہ بھی ہے میری طرح محوِ گناہ

اپنے ہم عصروں کو مصروفِ سیاست دیکھ کر
صرف ہنس دیتا ہوں آئینے میں صورت دیکھ کر
یا بہ فیضِ ہوش مندی آج میں دیوانہ ہوں
یا تو عہدِ نو میں اک بھولا ہوا افسانہ ہوں
مجھ کو چھو کر پھول بن جایا کہ آتش چھو تو لے
لاکھ پتھر بن گیا ہوں پھر بھی اک دیوانا سا ہوں

اے نئی دنیا! ادھر بھی کوئی نغمہ، کوئی شور
زندگی کی ان منازل میں بڑا تنہا ہوں میں

○○

قطعہ:

رقص

ایک دوشیزہ اندھیرے میں چلی آتی ہے
کوئی رقاص مرے کہنے سے اتنا کردے
شرم اور خوف سے گھبرائے ہوئے پاؤں میں
ایک ادھورا ہی سا منظوم تخیّل بھردے

○○

رات خوبصورت ہے

نہیں تم خوبصورت ہو، تمھیں یہ حق پہنچتا ہے
ستاروں کو مسل دو، چاند کو پامال کر ڈالو
یہی آئینہ جو تم کو دعائے صبح دیتا ہے
اسی آئینے میں سج کر حقارت کی نظر ڈالو

میں شاعر ہوں مگر ان شاعروں سے سخت برہم ہوں
جو تم ایسے حسینوں کو نصیحت کرنے لگتے ہیں
یہ عورت اور اس کے حسن کے موضوع کو لے کر
خنک لفظوں میں اظہار سیاست کرنے لگتے ہیں

میں تم سے متفق ہوں حسن اور دولت ہی سب کچھ ہے
مگر یہ بات کب دنیا کے بد قسمت سمجھتے ہیں
چلو انگڑائیاں لے کر فضائے دل پہ چھا جاؤ
ابھی کچھ لوگ ہیں جو حسن کی عظمت سمجھتے ہیں

اگر ان نرگسی آنکھوں میں مے خانے مچلتے ہوں
تو ظاہر ہے کہ تم پلکوں پہ آنسو کس لیے لاؤ
اگر ان احمریں ہونٹوں سے ہر دم گیت ڈھلتے ہوں
تو یہ کس نے کہا ہے بے سبب افسردہ ہو جاؤ

میں خود مفلس ہوں پر ان مفلسوں سے سخت برہم ہوں
جو دولت مند مہ پاروں کی آرائش سے جلتے ہیں
مرا تو یہ تصور ہے تمہارے اک اشارے پر
ہزاروں انقلابی شاعروں کے گیت پلتے ہیں

اٹھو یہ ساز پس منظر کہیں مدھم نہ ہو جائے
کہ "مفلس مطربہ" اب ساز پر قابو نہیں پاتی
نہ جانے کون سا "شہزادۂ گلفام" آیا ہے
کہ یہ اپنی حسیں آواز پر قابو نہیں پاتی

دل آئینہ اب تم کو دعائے شب بھی دیتا ہے
چلو ہر بزم میں اک حشر برپا کر کے آنا ہے
یہی چاندی کی دنیا جس کی تم اک ماہ پارہ ہو
تہ و بالا یہی چاندی کی دنیا کر کے آنا ہے

اگر تنہا ہی رہنا ہے تو پھر تم بھی چپکا بیٹھا کرو
مگر یہ سوچ لو تنہائیاں ناگن بھی ہوتی ہیں
شبِ مہتاب میں جب رات کی رانی مہکتی ہو
تو خود اپنی جواں انگڑائیاں ناگن بھی ہوتی ہیں

مری باتیں تمھارے خادموں سے ملتی جلتی ہیں
مگر یہ مان لو، اس دم تمھیں میری ضرورت ہے
چلو اک راز بھی تم کو ذرا چپکے سے بتلا دوں
کہ خود مجھ کو نظامِ سیم و زر سے سخت نفرت ہے

تمھاری کیا خطا اس میں اگر فطرت کے ہاتھوں نے
نظامِ سیم و زر میں تم کو مہ پارہ بنایا ہے
مرا بھی کیا قصور اس میں اگر مجھ کو غریبی نے
گل و مہتاب کی محفل میں انگارہ بنایا ہے

غرض آنسو کا اب تارے سے سمجھوتا ضروری ہے
گلِ سیمیں کا انگارے سے سمجھوتا ضروری ہے

○○

بکھری ہوئی پتیاں

اے دوست! پھر بھی میری پریشانیاں یہ کیوں!

تاریخ باغِ دہر کو ترتیب دے چکا
منظوم گلستاں کی بہاریں بھی لے چکا
لیکن پڑی ہیں بکھری ہوئی پتیاں یہ کیوں؟
مدت سے ایک فکر ہے صدیوں سے کوششیں
لیکن ہوئیں نہ آج تک افسوس کامیاب
یعنی ابھی ہر ایک تغیّر، ہر انقلاب
کھاتا رہا ہے چار قدم چل کے ٹھوکریں
یہ نظم، یہ فسانہ، یہ تقریر، یہ پکار
اسٹیج سے زمانہ کے سو سرخیوں کے ساتھ
ان منتظر سی تکتی ہوئی ہستیوں کے ساتھ
کس درجہ دل فریب مگر کتنا انتشار
کر شور اے حیات کہ سمجھی نہیں ہوں میں
اے زندگی پکار کہ اندھی گیں ہوں میں

OO

ظفر زندہ باد

ذکرِ شب اور یہ ہنگامِ سحر کیا معنی
بزمِ جمہور میں شاہوں کا گزر کیا معنی
آج بھی تذکرۂ عہدِ ظفر کیا معنی

کوئی اس طرح بھی سوچے تو اسے کیا کہیے
ذہن یخ بستہ میں الجھا ہوا شعلہ کہیے

ایک شاہنشۂ بیدار ظفر تھا کہ نہیں
وقت کے ہاتھ میں تلوار ظفر تھا کہ نہیں
جنگِ آزادی کا سالار ظفر تھا کہ نہیں

ان سوالات میں تاریخ نہیں بہہ سکتی
موجِ حالات میں تاریخ نہیں بہہ سکتی

آج جاگے ہوئے اس عالمِ جمہور میں ہم
ہند کی جلوہ گہِ رشکِ دہ طور میں ہم
یوں سمجھیے کہ اسی منزلِ پرنور میں ہم

جائزہ پچھلے سفر کا بھی ذرا لے لیتے
یعنی ہم اپنے بزرگوں کی دعا لے لیتے

بین کیوں اب بھی مقابر میں ہوا کرتی ہے
خونی دروازے سے کیوں ہوک اٹھا کرتی ہے
روح سی قلعے میں کیا چیز پھرا کرتی ہے
کون اولاد کا آنکھوں میں لئے خون گیا
کون سنگینوں کی آغوش میں رنگون گیا

وہ شہنشاہ ظفر تھا تو ظفر زندہ باد
خون میں ڈوبے ہوئے لالۂ تر زندہ باد
محترم رہبر آغاز سفر زندہ باد
تیری یادوں کی مہک سے بھی ہے آباد یہ باغ
ہم ہمیشہ ہی جلاتے ہیں چراغوں سے چراغ

دور یک جہتیِ افکار و خیالات ہے یہ
تیری جانب سے ہمارے لئے سوغات ہے یہ
شاعری میں بھی تری ایک اہم بات ہے یہ
مختلف ہوتی ہے صحرا سے چمن کی تہذیب
ہے امر جلوہ گہ گنگ و جمن کی تہذیب

شگفتہ نعش

شگفتہ پھول اب کوئی تصور ہی نہیں دیتے
سجا کر کاغذی گل دان میں ان کو کہیں رکھ دو
جہاں سائنس کی تازہ کتابیں ہیں، وہیں رکھ دو ــــ!
یہ تازہ پھول اب بھی رنگ و نکہت کے مرقعے ہیں
مگر بیدار اب! ان سے کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔
نہ بچے کا تبسّم
اور نہ یادِ عارضِ جاناں،
نہ عکسِ رنگِ پیراہن،
نہ تقدیسِ مقابر
اور نہ احساسِ غمِ گلشن
کوئی واضح تصور ان سے اب پیدا نہیں ہوتا ــــ!

چلو ہم احتراماً پھول کو پتھر نہیں کہتے

وہی پھولوں سے وابستہ تصور ہم کو لوٹا دو
وگرنہ یہ شگفتہ نعش ہیں، تم ان کو دفنا دو ——— !

حضورِ عالم تو ہم بھی اپنا سر جھکاتے ہیں
چلو ہم آج کے انسان پر ایمان لاتے ہیں
چلو تم کو خدا کہتے ہیں،
بازی گر نہیں کہتے ہیں ———
چلو ہم احتراماً پھول کو پتھر نہیں کہتے ——— !
——— مبارک اے نئی دنیا !
کہ تو نے زندگانی کی سبھی قدریں بدل ڈالیں،
مبارک اے نئے انسان !
کہ اپنی نعش پر تو نے نئی دنیا سجائی ہے ——— !!

○○

گاندھی

گاندھی کیا تھے
بھارت ماں کے سپنوں کا کومل پر تیک
ان کی بدولت جاگی، پہنچی منزل تک اپنی تحریک
گاندھی کیا تھے
بھوکی، پیاسی دھرتی کے ذی ہوش فقیر
ان کی بدولت بے شک ٹوٹی اپنے پیروں کی زنجیر
گاندھی کیا تھے
خواب دل جمہور کا دلکش ردّ عمل
مادر ہند کے ویراں چہرے پر اک نورانی آنچل
گاندھی کیا ہیں
ایک حقیقت جس کو ہم سمجھے ہیں خواب
پر جس کی تعبیر حسیں کی کھوج میں ہے دنیا بیتاب

گاندھی کیا ہیں
اس سائنسی دور میں روحانی آواز
یعنی جب ہونے والا ہے ایک سحر کا پھر آغاز
گاندھی کیا تھے ــــــ ایک حقیقت
گاندھی کیا ہیں ــــــ ایک خیال
لیکن ان کی یاد سے روشن عہد ماضی بزم حال ــــــ

○○

تلاش

(بہ یادِ نہرو)

پھر آج ان کے پرانے خطوط دیکھتا ہوں
پھر آج ڈھونڈ رہا ہوں میں ان کی تقریریں
"تلاش ہند" کے اوراق پھر الٹتا ہوں
خیال تھا کہ کبھی اس کو سجدہ کرلوں گا
یہ روشنی تو بہر حال ہے مرے گھر کی!
تساہلی نے مجھے ہائے کر دیا برباد
کوئی بتاؤ مری روشنی کہاں گم ہے؟
"تلاش ہند" کے اوراق پھر الٹتا ہوں
وہ روشنی تو یہیں تھی، ابھی یہیں ہوگی۔!

OO

وداعیہ (ڈاکٹر ذاکر حسین)

گلابوں کی خوشبو سمیٹے ہوئے ہیں
"ترنگے" کی چھاؤں میں رخصت ہوئے ہیں
قرآن اور گیتا کی برکت سموئے
مقدس فضاؤں میں رخصت ہوئے ہیں
وہی "جامعہ" جو تھا محبوب ان کو
اسی سمت ان کا گیا ہے جنازہ
فرشتوں کی آواز یہ آرہی ہے
کہ خود زندگی کی دعا ہے جنازہ
مساجد، منادر، مقابر سبھی نے
سرِ راہ تسلیم ان کو کیا ہے
کئی بار اہل نظر نے یہ دیکھا
ملائک نے میت کا بوسہ لیا ہے

وہ اس راستے سے گئے ہیں جہاں پر
نظام اور خسرو کی ہیں حنا نقا ہیں
شریک جنازہ رہیں شام ہی سے
مقدس بزرگوں کی یہ جلوہ گاہیں
شگفتہ گلابوں میں ڈوبی ہوئی سی
فسردہ فسردہ ہوا آ رہی ہے
دعائیں جو ہر اک کو دیتا رہا ہے
اسے آسماں سے دعا آ رہی ہے

فانی بدایونی

سرد مہر و ماہ میں   پھر رہا تھا اک شباب
گلستان دہر میں   رو رہا تھا اک گلاب
آنسوؤں کی لہر میں   بج رہا تھا اک رباب
آنسوؤں کی بھی فضا   مستقل نہ رہ سکی
غم کی بھی خنک ہوا   دیر تک نہ بہہ سکی
ایک غم زدہ صدا   داستاں نہ کہہ سکی
مستقل نہ بج سکے   ساز غم کے تار بھی
آج ٹوٹ ہی گئے   تار نغمہ بار بھی
دیر تک نہ سن سکے   موت کی پکار بھی

گیت

گیتوں کے ہروا گوندھوں گی

یاں سندر کومل گیتوں کے

کچھ نازک کلیاں لاؤں گی
اور ان تاروں کو ملاؤں گی
اوشا کے گلابی ڈورے میں
آشا کے پھول پروؤں گی
گیتوں کے ہروا گوندھوں گی
یاں سندر کومل گیتوں کے

سنتی ہوں ساجن آئے ہیں
جذبات مرے تھرّائے ہیں
ان پریم کی نازک لہروں پر
میں اپنی نیا چھوڑوں گی
گیتوں کے ہر وا گوندھوں گی
یاں سندر کومل گیتوں کے

گیت

سکھی پائل کا شور کوئی سن لے گا
ذرا من کی امنگوں کو روک روک چل
ذرا گاتی ترنگوں کو ٹوک ٹوک چل
کوئی سن لے گا کوئی دیکھ لے گا
کوئی کہہ دے گا سکھی پائل کا شور کوئی سن لے گا
ترے ہردے کے ساگر میں آیا طوفان
آیا طوفان
کوئی دیکھے ہیجان۔!

تجھے پیتم ملن کی یہ شام مبارک

یہ مدھر بھاؤنا کی دھوم دھام مبارک

ترے ہردے کے ساگر میں آیا طوفان

آیا طوفان

تجھے دیکھے بھگوان

ذرا من کی امنگوں کو روک روک چل

ذرا گاتی ترنگوں کو ٹوک ٹوک چل

سکھی پائل کا شور کوئی سن لے گا — !

چاند، میں اور تم

قطعات:-

چاند جیسے نیلگوں ساگر میں اک چاندی کی ناؤ
چاند، جیسے ایک ماں کی گود میں زندہ گلاب
ایسی تشبیہیں مجھے محبوب تھیں۔ محبوب ہیں
اب بھی رہنا چاہتا ہوں شاعرِ وادیٔ خواب

چاند جیتا جا چکا شاید، مگر میرے لیے
تشنۂ تکمیل، اک شہکار، اب بھی چاند ہے
میں تو اک شاعر تھا، شاعر ہوں تمھارے ساتھ ہوں
یوں نہ الجھو، یہ حسیں رخسار اب بھی چاند ہے

چاند کیا تھا حسن کی انگڑائیوں کا ایک روپ
چاند اب اہلِ جنوں کا جادۂ پرواز ہے
تم یوں ہی آتے رہو تزئینِ عارض کے لیے
دل کے آئینے کو تم پر ناز تھا۔ اور ناز ہے

مہ رخانِ عہد حاضر ہیں حقیقت آشنا
تم مگر تاباں ہی رہنا میری بزمِ خواب میں
میری مانو، یہ حسیں دھرتی ہی اک آکاش ہے
اس زمیں کے پھول ہی کا عکس ہے مہتاب میں

میں تو دودِ شمع ساغر ہوں ابھی کھو جاؤں گا
حسن کا قائم مگر انداز رہنا چاہیے
حاصل تسخیر گر واضح نہیں تو چاند کو
آج بھی اک خوبصورت راز رہنا چاہیے

فرض کر لو ہر ستارے کو "اپالو" چھو سکے
اور فطرت کے مظاہر ہو گئے ان کے اسیر
پھر بھی یہ سیارۂ گیتی سنورتا جائے گا
سائنسی کے رخ پہ برسیں گے یوں ہی کیوپڈ کے تیر

معاف اے مہتاب، جام عالم تخئیل میں
بات سنجیدہ سہی لیکن بہک جاتا بھی ہوں
یوں تو میں ہر پھول کا آنسو ہوں نالہ ہوں مگر
حسن ہی کے فیض سے اکثر بہک جاتا بھی ہوں

تجربے سائنس کے فطرت پہ گر ہوتے رہے
پھر کدھر جائیں گی یہ روحانی قدریں زیست کی
جانے کیا ہو گا۔ میں دیوانہ ہوں لیکن تم بتاؤ
مٹ گئیں گر من چلی دیوانی قدریں زیست کی

خیر یہ موضوعِ فکرِ ماہ کچھ اُلجھا سا ہے
تم اگر مانو تو بس واضح تریں یہ بات ہے
زندگی کیا ہے، ہمارے فکر کا ردِّ عمل
اور دلی میں یہ ساون کی سہانی رات ہے

لو میں پھر ساغر اٹھاتا ہوں بکھیرو زلفِ ناز
چاند کا قصہ کہاں تک میں تو اک دیوانہ ہوں
تم کہ جانِ شاعری لیکن حقیقت آشنا
میں کہ اک شاعر مگر پروردۂ افسانہ ہوں

غزلیں

اب عیادت کو مری کوئی نہیں آئے گا
پھر ہوں بیمار کسی کو نہ یقیں آئے گا

غم مسلسل ہو تو احباب بچھڑ جاتے ہیں
اب نہ کوئی دل تنہا کے قریں آئے گا

اپنے خوابوں کے دریچوں میں جلا لو شمعیں
اور یہ سوچ لو اک ماہ جبیں آئے گا

پھر نگار چمن وادیٔ فردائے بہار
گل بدست و مہ و انجم بہ جبیں آئے گا

ذہن تازہ کے لیے ساز حقیقت چھیڑو
چین اسے صرف تخیل سے کہیں آئے گا

صرف اپنے ہی عزائم پہ بھروسہ کر لے
کام کوئی بھی نہ اے قلب حزیں آئے گا

روز پوجا کے لئے پھول سجاتا ہے سلامؔ
جانے کب اس کا خدا سوئے زمیں آئے گا

○

نہ موجِ بادہ، نہ زلفوں، نہ ان گھٹاؤں نے
مجھے ڈسا ہے مری شعلہ زانواؤں نے
غمِ حیات سے ٹکرا کے گیت بن جانا
سکھا دیا ہے مجھے آپ کی دعاؤں نے
جو کج کلاہ دیارِ طرب ہیں، سب کچھ ہیں
مجھے تو لوٹ لیا ہے مری وفاؤں نے
کبھی کبھی تو سنا ہے ہلا دیے ہیں محل
ہمارے ایسے غریبوں کی التجاؤں نے

تمہارا حسن ہو یا میری شاعری، ان کو
امر کیا ہے محبت کی آتماؤں نے
غم حیات و غم دل بہت سہی لیکن
کوئی سوال کیا ہے ابھی گھٹاؤں نے
کسی چمن۔ کسی گل پیرہن کے گھر جائیں
مجھی کو تاک لیا مدھ بھری ہواؤں نے
عجیب بات ہے میں جب بھی کچھ اداس ہوا
دیا سہارا حریفوں کی بددعاؤں نے
میں بت کدوں سے مقابر میں گرنے والا تھا
مگر سنبھال لیا خوش نظر خداؤں نے
خبر ہے گرم کہ اک ترک لکھنؤ کو سلام
اسیر کر لیا دلّی کی اپسراؤں نے

ان غزالان طرح دار کو کیسے چھوڑوں
جلوۂ وادیٔ تاتار کو کیسے چھوڑوں

درد آگیں ہی سہی بربطِ پس منظرِ بزم
نشہ ہائے لب و رخسار کو کیسے چھوڑوں

اے تقاضائے غمِ دہر میں کیسے آؤں
لذتِ دردِ غمِ یار کو کیسے چھوڑوں

میں خزاں میں بھی پرستار رہا ہوں اس کا
موسمِ گل میں چمن زار کو کیسے چھوڑوں

اے مرے گھر کی فضاؤں سے گریزاں مہتاب
اپنے گھر کے در و دیوار کو کیسے چھوڑوں

ہائے دردِ دلِ بیزار کہ ہنگامِ خمار
دوست کہتے ہیں کہ مئے خوار کو کیسے چھوڑوں

آج تو شمع ہواؤں سے یہ کہتی ہے سلام
رات بھاری ہے میں بیمار کو کیسے چھوڑوں

نہ دردِ یادِ جاناں ہے نہ دنیا ہی کا غم ساقی
اب اس سے بڑھ کے کیا ہوگا ترا حسنِ کرم ساقی

کہاں ہم اور کہاں یہ جلوہ ہائے جام و جم ساقی
یوں ہی بس رکھ لیا کرتے ہیں جینے کا بھرم ساقی

نہیں ہیں شادماں ہوں زندگی پر ہنس بھی سکتا ہوں
اب اس کو کیا کروں گر ہو گئی ہے آنکھ نم ساقی

نہ جانے زندگی کی کتنی مبہم رہ گزاروں سے
لئے پھرتی ہے مجھ کو تیری زلفِ خم بہ خم ساقی

زمانہ اڑ رہا تھا آسماں تا آسماں لیکن
حضورِ جام و مینا ہو گئی رفتار کم ساقی

سویرا ہوتے ہوتے میکدے سے اٹھ ہی جاؤں گا
ابھی تھوڑا بہت باقی ہے ان آنکھوں میں دم ساقی

سلام اک "عندلیبِ گلشنِ نا آفریدہ" ہے
ابھی سے کس لئے ہے اس کے مرجانے کا غم ساقی

ہوا زمانے کی ساقی بدل تو سکتی ہے
حیات ساغرِ رنگیں میں ڈھل تو سکتی ہے

بس اک لطیف تبسم بس ایک حسین نظر
مریضِ دل کی یہ حالت بدل تو سکتی ہے

جہاں پہ چھوڑ رہے ہو مجھے اندھیرے میں
وہیں سے راہِ محبت نکل تو سکتی ہے

پھر اپنے غنچۂ زخم و جگر کا کیا ہوگا
نسیمِ صبح مری سمت چل تو سکتی ہے

تری نگاہِ کرم کی قسم ہے اب بھی مجھے
یہی یقین کہ دنیا بدل تو سکتی ہے

تھوڑی دیر اے ساقی بزم میں اجالا ہے
جام خالی ہونے تک چاند ڈھلنے والا ہے

صبح کی حسین کرنیں ناگ بن کے ڈس لیں گی
میں انھیں سمجھتا ہوں، میں نے ان کو پالا ہے

بزم نو کی شمعوں کو یہ خبر نہیں ہو گی
کس نے ظلمت شب کو روشنی میں ڈھالا ہے

کس نے خواب انساں کے نقرئی سفینے کو
سخت تر تلاطم کی زد میں بھی سنبھالا ہے

لوگ ہنس کے کہہ دیں گے ہیں خراب صہبا تھا
مے کدہ یہ خوش ہو گا اس کا بول بالا ہے

میری فکر کی خوشبو قید ہو نہیں سکتی
یوں تو میرے ہونٹوں پر مصلحت کا تالا ہے

میری موت اے ساقی ارتقا ہے ہستی کا
اک سلام جاتا ہے، ایک آنے والا ہے!

امیدوں، حوصلوں، بے تاب ارمانوں کا شہزادہ
مبارک ہو کہ ہوں میں اب بھی افسانوں کا شہزادہ

خردمندان شہر زر کو حیرت بھی ہے الجھن بھی
ابھی تک جی رہا ہے کیسے میخانوں کا شہزادہ

وہ لمحہ غور کے قابل بھی ہے جب بزم دانش میں
یوں ہی بس مسکرا دے کوئی دیوانوں کا شہزادہ

میں کہتا ہوں اگر کردار غربت خوبصورت ہو
تو بنجارہ بھی بن سکتا ہے ایوانوں کا شہزادہ

میں ان لوگوں میں ہوں جن کو تلاطم راس آتا ہے
ہمیشہ ہی رہا ہوں سخت طوفانوں کا شہزادہ

مشینی دور نے آدم کو بھی شیطاں بنا ڈالا
پرستش اس کی جو اب بھی ہو انسانوں کا شہزادہ

بس اک افواہ تھی پر باغباں اب تک ہیں افسردہ
بھلا گلشن میں کیوں آئے گا ویرانوں کا شہزادہ

سلام اب پوچھتے ہیں مہ رخان بزم پاکستاں
کہاں ہے لکھنؤ کے ان شبستانوں کا شہزادہ

شگفتہ بچوں کا چہرہ دکھائی دینے لگے
میں کیا کروں کہ اجالا دکھائی دینے لگے

یہ سخت ظلم ہے مالک کہ صبح ہوتے ہی
تمام گھر میں اندھیرا دکھائی دینے لگے

وہ صرف میں ہوں جو سو جنتیں سجا کر بھی
اداس اداس سا تنہا دکھائی دینے لگے

میں کامیاب جبھی ہوں گا اے رباب حیات
کہ بزم کو ترا نغمہ دکھائی دینے لگے

گلاب اگانے کی عادت سے فائدہ کیا ہے
اگر گلاب میں شعلہ دکھائی دینے لگے

مرا ہی عکس سہی پھر بھی وہ فرشتہ ہے
جو غیر ہو کے بھی اپنا دکھائی دینے لگے

بہت علیل ہو لیکن یہ بزدلی ہے سلام
کہ تم کو موت کا سایہ دکھائی دینے لگے

وہ چاند، وہ گلاب، یہ جام سفال ہے
اب اے غم حیات ترا کیا خیال ہے

وہ ہم ہیں جن کے دم سے یہ منظوم ہو گئی
ورنہ حیات کچھ بھی نہیں اک خیال ہے

ٹکراؤ دوست جام کہ تم پر خلوص ہو
یہ کون کہہ رہا ہے کہ شیشے میں بال ہے

مہتاب پہرے دار گل و لالہ پاسباں
اس جان رنگ و بو کی بڑی دیکھ بھال ہے

ہر موج فکر آتش بے دود بن گئی
اے روشنی طبع ترا یہ مآل ہے

کیا زندگی بھی دیکھ سکے ہو سلام کی
اے ناقدان شعر! مرا یہ سوال ہے

خوابوں نے انقلاب کے نغمے کو ڈس لیا
امواج گل نے آگ کے شعلے کو ڈس لیا

ناگن سی کوئی شے تھی کہ جس نے بہ لطف خاص
احساس کو، خیال کو، جذبے کو ڈس لیا

دنیا نے میرے ساز تخیل کو توڑ کر
پھولوں کے حسن، چاند کے جلوے کو ڈس لیا

اے زعم فکر اب تو مکمل سکوت ہے
خود شعلۂ رباب نے نغمے کو ڈس لیا

جیسے ہی شاخ گل کو وہ چھو کر گزر گئے
بھونرے نے ایک تازہ شگوفے کو ڈس لیا

کن مشکلوں سے رات کٹی تھی مگر سلام
بادل نے پھر سحر کے دھندلکے کو ڈس لیا

ہم پھر بھی اے نسیم گل بار آدمی ہیں
مانا کہ خستہ دل ہیں بیمار آدمی ہیں

تم بزم سیم و زر کی تنہائیاں تو دیکھو
ہم مفلسوں میں اب بھی خوددار آدمی ہیں

آداب شہر گل کی یہ سختیاں مبارک
پھر ہم بھی زندگی سے بیزار آدمی ہیں

تم تتلیوں سے بہتر تم ناگنوں سے بڑھکر
ہم بھی تو اے حسینو! فن کار آدمی ہیں

بن دیکھے رہ سکو گے اونچی نگاہ والو
ہم ایسے اس نگر میں دو چار آدمی ہیں

طوفان کا نظارہ طوفاں نہیں کرے گا
اے ناخدا! ندی کے اس پار آدمی ہیں

حالاں کہ ان کے فن سے حسن خرد ہے ظاہر
پھر بھی سلام صاحب مئے خوار آدمی ہیں

فضا کا ذکر ہے آغاز گفتگو کے لئے
بہانہ چاہئے کچھ شرح آرزو کے لئے
مرا ہی نام فسانہ نگار لیتے ہیں
خراب حسن و تباہِ مئے و سبو کے لئے
شگفتہ پھول ذرا اس طرف بھی ایک نگاہ
کلی جو شاخ پہ بے چین ہے نمو کے لئے
ذرا انھیں کسی مفلس کے خواب بتلا دو
تڑپ رہے ہیں جو دنیائے رنگ و بو کے لئے
اب آئینے سے زلیخا گریز کرتی ہے
قبائے حضرت یوسف چلی رفو کے لئے
سلام داغ کی گلیوں میں کیوں تباہ ہوا
سوال ہے یہ محبت کی آبرو کے لئے

سرِ حدِ فنا تک بھی تیرگی نہیں آئی
یوں بھی راس اندھیروں کی زندگی نہیں آئی

تم شراب پی کر بھی ہوش مند رہتے ہو
جانے کیوں مجھے ایسی مے کشی نہیں آئی

جس کی بھی تباہی ہو کچھ اثر تو رکھتی ہے
آج میری حالت پر کیوں ہنسی نہیں آئی

اور بھی درخشاں ہو اے مرے نئے سورج
اب بھی میرے آنگن میں روشنی نہیں آئی

رہروانِ دانش کی زندگی بتاتی ہے
کام کن منازل میں آگہی نہیں آئی

لوگ چار ہی دن میں بن گئے سلام اے دل
اور خود مجھے اب تک شاعری نہیں آئی

گلوں کے دل کا حسیں غم بنا دیا کس نے
مرے ہر اشک کو شبنم بنا دیا کس نے

ہمارے دل کی کہانی تو اک حقیقت تھی
اسے فسانۂ مبہم بنا دیا کس نے

طلوعِ صبح نے بخشی تھی جو خوشی دل کو
قریبِ شام اسے غم بنا دیا کس نے

یہ آئینہ ہے، یہ تم ہو، یہ میں ہوں اب یہ بتاؤ
تمہیں جوابِ دو عالم بنا دیا کس نے

گھٹائیں زلف کی آنکھوں کی جھیل ہونٹ کے پھول
تمہیں بہارِ مجسم بنا دیا کس نے

تمہارے سلمہ ستارے بھرے دوپٹے کو
وہ ہم نہیں ہیں تو پرچم بنا دیا کس نے

چلو سلام کے اشعار کچھ نہیں لیکن
تمہیں حسینۂ عالم بنا دیا کس نے

شعلوں کی زد میں پھولوں کا دامن سنبھالنا
اے اندر دیوتا! مرا گلشن سنبھالنا

جو بجلیاں کہ ہونے لگی ہیں گلے کا ہار
ان بجلیوں سے اپنا نشیمن سنبھالنا

مہکے ہوئے گلاب ہیں مچلے ہوئے رباب
سپنوں کا باغ گیتوں کا مدھبن سنبھالنا

اس رت میں میرے جیب و گریباں کے ساتھ ساتھ
تازہ سمن بروں کی بھی چلمن سنبھالنا

تم اپنی بجلیوں کی نزاکت کو دیکھ لو
ہم جانتے ہیں اپنا نشیمن سنبھالنا

شعلوں کا وار میرے لئے موج بوئے گل
پھولوں کا وار اے حسیں دشمن سنبھالنا

ہم منزل عوام ہیں اے تازہ فلسفو
تم بھی ذرا غریبوں کا دامن سنبھالنا

ان ناقدوں کی یورش پیہم کے باوجود
معبود شعر و نغمہ! مرا فن سنبھالنا

ضیائے کعبہ گیتی دوام ہے کہ نہیں
ہمارے قدموں پہ ماہ تمام ہے کہ نہیں

رہے جلال و جمال ستارۂ عالم
رکا رکا فلک تیز گام ہے کہ نہیں

بہت لطیف ہے تزئین خلد اے مالک
مگر یہاں بھی وہی انتظام ہے کہ نہیں

یہ کہکشاؤں کی بیلیں، یہ مہر و ماہ کے باغ
وہ خاص جنت نادیدہ عام ہے کہ نہیں

ہمارا قصۂ نور خرد شباب پہ ہے
فسانہ ہمہ جلوہ تمام ہے کہ نہیں

ہمیں تو تیرے ہی بربط کو گیت دینا ہے
مگر تجھے بھی ابھی ہم سے کام ہے کہ نہیں

عروج آدم خاکی کا جشن ہے معبود
تری طرف سے بھی کوئی پیام ہے کہ نہیں

لگا رہا ہے مضامین نو کے کون انبار
خبر کر دیہ ہمارا اسلام ہے کہ نہیں

میں گم شدہ ہوں مرا فن ہے دائمی لیکن
چراغ بجھ گیا باقی ہے روشنی لیکن

حسین آپ، حسیں زندگی، حسیں دنیا
حسیں تریں ہے مرا ذوقِ شاعری لیکن

چلو یہ ٹھیک ہے، میں کشتہ شراب سہی
نظر تمھاری بھی ہے کچھ جھکی جھکی لیکن

جناب واقعی شہزادۂ بہاراں ہیں
حضور! آپ کی آنکھوں میں ہے نمی لیکن

تمھاری آنکھ میں کوثر کی لہر خلد کا نور
ہم اس کو کہتے ہیں موجِ شراب بھی لیکن

حیات دردِ مسلسل ہے آپ کہتے ہیں
اسی تڑپ میں وہ ہلکی سی نغمگی لیکن

میں جانتا ہوں یہ کم بخت ایک ناگن ہے
بہت حسیں نظر آتی ہے زندگی لیکن

سلام مجھ کو تو جیسی بھی ہے بہت ہے حیات
اداس ہے نئی دنیا کا فلسفی لیکن

سوچتا ہوں رہ گیا بے کار دلّی شہر میں
دل ہوا جاتا ہے پھر بیمار دلّی شہر میں

لٹ نہ جائے جذبۂ خود دار دلّی شہر میں
ہو گیا ہوں اس لئے مئے خوار دلّی شہر میں

ہائے وہ اک طائر آزاد اپنے گاؤں کا
وائے یہ سونے کی اک دیوار دلّی شہر میں

اب بھی اک طوفاں اٹھا سکتا ہوں پر بعد از جنم
کون ہوگا میرا ذمہ دار دلّی شہر میں

یاسمین نرادا و دھ اور اف وہ اس کی نکہتیں
ہائے یہ گل ہائے شعلہ بار دلّی شہر میں

ہر طرف آئینہ خانے، آئینہ خانوں میں ہیں
مانی و بہزاد کے شہکار دلّی شہر میں

رقص میں ہیں ہر طرف زنجیر کرنے کے لئے
گیسوؤ چشم و لب و رخسار دلّی شہر میں

کج کلاہان دیار دل بڑی حیرت میں ہیں
حسن خود ہے مائل گفتار دلّی شہر میں

جام اٹھاتا ہوں تو ہنس کر کہتی ہے مئے کی پری
کھو گئے شاید مرے سرکار دلّی شہر میں

دیدنی تھی ملکۂ ممتاز حاضر کی قسم
اک نئے شاہ جہاں کی ہار دلّی شہر میں

مضطرب ہے آرزوئے رفعت موج جہاں
محو حیرت ہے دل فن کار دلّی شہر میں

یہ غزل اور ہائے وہ دن جب یہ سوچا تھا سلامؔ
مجھ کو لکھنا ہے کوئی شہکار دلّی شہر میں

کبھی کبھی عرضِ غم کی خاطر ہم اک بہانا بھی چاہتے ہیں
جب آنسوؤں سے بھری ہوں آنکھیں تو مسکرانا بھی چاہتے ہیں

وہ دل سے تنگ آکے آج محفل میں حسن کی تمکنت کی خاطر
نظر بچانا بھی چاہتے ہیں، نظر ملانا بھی چاہتے ہیں

مزا جب آئے کہ انتقاماً میں دل کا آئینہ توڑ ڈالوں
مرے ہی ہاتھوں سجے ہیں اور اب مجھی پہ چھانا بھی چاہتے ہیں

جبھی تو خود آج شہر کے گل رخوں کی تعریف کر رہے ہیں
وہ انتخابِ نظر کو میرے اب آزمانا بھی چاہتے ہیں

اگرچہ طوفانِ رنگ و بو کی شریر لہروں سے تھک چکے ہیں
مگر وہ دل کے نئے تلاطم کی زد میں آنا بھی چاہتے ہیں

سلام آزاد شاعری کی طویل و دشوار راہ میں ہم
کبھی کبھی بربطِ تغزل پہ گنگنانا بھی چاہتے ہیں

وہ چشم ناز مری سمت یوں اٹھی ہے کہ ہائے
اک ایسی چوٹ دل زار پر لگی ہے کہ ہائے

کبھی ہنسا تھا رخ گل پہ دیکھ کر شبنم
ابھی تلک مری پلکوں میں وہ نمی ہے کہ ہائے

تمام شہر بظاہر حسین ہے لیکن
تمام شہر میں کچھ ایسی بے بسی ہے کہ ہائے

مجھے بھی دیکھ کے محفل میں یوں تو ہیں مغرور
بظاہر ایسا اک انداز برہمی ہے کہ ہائے

میں چھیڑتا تو ہوں ہر بار اک نیا نغمہ
صدائے ساز کچھ ایسی دبی دبی ہے کہ ہائے

وہ اور ہوں گے جنھیں میکدہ مبارک ہے
مرے لئے تو وہ انجام مے کشی ہے کہ ہائے

یہی کہا تھا کہ تم شہر دل کی ملکہ ہو
بس اتنی بات پہ کچھ ایسی برہمی ہے کہ ہائے

تمام شہر میں ہے شور انقلاب سلام
تمام چہروں پہ ایسی فسردگی ہے کہ ہائے

اللہ اللہ اس قدر توبہ شکن ساون کی رات
بن گیا ہے میکدہ چرخِ کہن ساون کی رات
تیرے گھر برسے گی صہبائے چمن ساون کی رات
کہہ رہا ہے مجھ سے یہ اک برہمن ساون کی رات
کاش ہوتے ہم بھی اک میخوارِ صہبائے حیات
سوچتا ہوگا یقیناً اہرمن ساون کی رات
ایک شعلہ، ایک بجلی، ایک طوفاں کے لئے
منتظر ہے جیسے اک نازک بدن ساون کی رات

وہ چہرے جو تھے حسن کے طوفان کی طرح
کمروں میں چپ ہیں کاغذی گل دان کی طرح
یہ چاندنی یہ بہار کی راتیں گواہ ہیں
ہم اب بھی اپنے گھر میں ہیں مہمان کی طرح
بے شک حضور آپ خدا کی طرح رہیں
جینے کا حق ہمیں بھی ہے انسان کی طرح
میں آج زندگی کی کڑی منزلوں میں ہوں
خود کہہ رہا ہوں ملئے تو انجان کی طرح
پہلے گمان یہ تھا کہ میں خود ہوں رازِ زیست
اب پھر رہا ہوں شہر میں نادان کی طرح
لاؤ میں اس کو ساغرِ دل میں سنبھال لوں
بوتل میں اک پری ہے مری جان کی طرح
غالب کے شہرِ شاہد و نغمہ میں اے سلام
بکھرے پڑے ہیں میر کے دیوان کی طرح

ساقی ہو اگر چشمِ کرم اور پئیں گے
ہاں اور، ذرا اور کہ ہم اور پئیں گے

ان زلفوں کی سوگند ابھی نشہ نہیں ہے
ان مست نگاہوں کی قسم اور پئیں گے

یہ عہد ہے اے ساقیِ مخمور کہ جب تک
سلجھیں نہ تری زلف کے خم اور پئیں گے

آئے تھے تری بزم میں جس غم کو بھلانے
کچھ اور زیادہ ہے وہ غم اور پئیں گے

اک شمعِ خرد ہے کہ فروزاں تھی، رہے گی
ہر چند بہکتے ہیں قدم اور پئیں گے

ہم زہر کے امرت سے کھلاتے ہیں شگوفے
پھولوں کی قسم ساغرِ سم اور پئیں گے

جب تک سرِ افلاک خلا بن کے نہ ابھریں
انساں کے تخیل کے صنم اور پئیں گے

دنیا تری عظمت کی قسم زہر ہے صہبا
دنیا تری نفرت کی قسم اور پئیں گے

ہر جام میں جب تک نہ ترا نور ہو رقصاں
اے جلوہ گہہ دیر و حرم اور پئیں گے

مزدور کے پیالوں کی تب و تاب سے جب تک
لرزندہ نہ ہو ساغرِ جم اور پئیں گے

احساس پہ یہ گھنگھور گھٹا چھا تو چکی ہے
جب تک کہ یہ پلکیں نہ ہوں نم اور پئیں گے

بجھتی ہوئی اس شمع کی سوگند سلام آج
جب تک کہ ہے ان آنکھوں میں دم اور پئیں گے

بات کچھ بھی نہ تھی آپ کو یک بیک یوں سرِ شاخ گل کیوں حجاب آگیا
اک کلی پھول بن کر مہکنے لگی، منزلِ رنگ و بو میں گلاب آگیا
میری جانب تمھاری نظر اٹھ گئی، میرے ہاتھوں میں جام شراب آگیا
اہل محفل یہ سمجھے سحر ہو گئی، پھول کھلنے لگے آفتاب آگیا
محو تزئین حسن و جمال آپ تھے، میری کیوں آئینے پر نظر پڑ گئی
میں بھی بے وجہ کچھ مضطرب ہو گیا، آپ کو بھی اچانک حجاب آگیا
بزمِ گیتی میں دورِ خزاں کی قسم رہ گیا تیری رحمت کا شاید بھرم
میں نے رکھا ہی تھا مے کدے میں قدم جھوم کر آسماں پر سحاب آگیا
تیرے نشترِ حسین تیرے خنجر سبک، اب سرِ جام مے بھی ذرا وار کر
میری جانب سے دیکھ اے غم زندگی، تیری ہر بات کا یہ جواب آگیا
میری ہی شستۂ دل کی پرچھائیاں شام تک لالہ و گل میں ڈھلتی رہیں
اے شب تاب میری بلائیں تو لے جہد ہستی سے میں کامیاب آگیا
شعبدہ بار خود باغباں بن گئے، کاغذی پھول ویرانے میں کھل اٹھے
وحشیوں نے یہ سمجھا بہار آگئی قسمتیں جاگ اٹھیں انقلاب آگیا
اے سلام اب حریفوں سے کہہ دو ذرا شعر و نغمہ کا طوفان پھر اٹھ گیا
شاہد محفل لکھنؤ شکریہ، میرے ہاتھوں میں پھر اک رباب آگیا

آنسوؤں میں کوئی غنچہ نہ کھلا میرے بعد
زندگی کس نے ترا درد سہا میرے بعد

مطرب عارض و گیسو نہ رہا میرے بعد
حسن کے شہر کی سونی ہے فضا میرے بعد

کون اب حسن کی تزئین کا الم سمجھے گا
دل کہ آئینہ تھا وہ ٹوٹ گیا میرے بعد

لاکھ انگڑائی لو اب چاند کو چھونے کے لئے
خود تو کھلنے سے رہے بند قبا میرے بعد

یوں تو کھلتے بھی ہیں ہنستے بھی ہیں گلزار میں پھول
کوئی طوفان بہاراں نہ اٹھا میرے بعد

چھوڑ کر خلد کو آدم نے فرشتوں سے کہا
خود فسردہ سا نہ ہو جائے خدا میرے بعد

اے سلام آج کے با عزم جوانوں کے لئے
جلوہ زا ہیں مرے نقش کف پا میرے بعد

مرنا نہیں قبول مجھے بے دلی کے ساتھ
آ اے غمِ حیات مگر دلکشی کے ساتھ

یہ شمعِ جام ہے تو اندھیرے کا غم نہیں
ڈھلنے دو سخت رات اسی روشنی کے ساتھ

یہ ابرِ خشک اور یہ ویراں فضا نہیں
ڈس اے نگاہِ ماہ مگر چاندنی کے ساتھ

اے دوستو یہ بے رخی و بے دلی ہے کیوں
تم زہر دو مگر ذرا لب پہ ہنسی کے ساتھ

چھوڑو نہ ساتھ نزہت و نکہت کا ساتھیو!
کانٹے ضرور رہتے ہیں پھول اور کلی کے ساتھ

میں چاہتا نہیں کبھی احباب یہ کہیں
اک حسن کار جل بسا کس بے کسی کے ساتھ

کچھ زندگی بھی چھیڑ رہی ہے مجھے سلامؔ
کچھ میں بھی کم شریر نہیں زندگی کے ساتھ

جامِ صہبا موت کا رنگین پیمانہ بھی ہے
جانتا ہوں پر یہ دنیا ایک میخانہ بھی ہے

روشنی برحق مگر انسان دیوانہ بھی ہے
زندگی کی ہر حقیقت ایک افسانہ بھی ہے

یہ مقابر، وہ مساجد اور یہ بت خانہ بھی ہے
اس رہِ ہستی میں لیکن کوئی میخانہ بھی ہے

تلخ تر حالات میں پڑھیئے تو لطف آئے گا
بندہ پرور زندگی رنگین افسانہ بھی ہے

عین جوشِ رقص و نغمہ اف یہ اک ہلکی سی آہ
آپ کی محفل میں شاید کوئی دیوانہ بھی ہے

مرحبا اے عشق تو خود حسن کا حل بن گیا
آج ان نظروں کا تیور کچھ رقیبانہ بھی ہے

بندہ پرور " گر قبول افتد زہے عز و شرف
آپ آئے ہیں تو یہ دل ایک نذرانہ بھی ہے

دورِ " جنگِ سرد " کے ضدی خداؤں میں سلام
جس کو جتنا ہوش ہے اتنا ہی دیوانہ بھی ہے

اب بھی جو اک ضیائے سکون حیات ہے
شاید وہ میری چاند ستاروں کی بات ہے

مطرب! بس ایک گیت کہ پھر صبح ہو سکے
ساقی! بس ایک جام، ابھی تھوڑی رات ہے

شاید کہ انقلابِ زمانہ کے ساتھ ساتھ
میری تباہیوں میں تمھارا بھی ہات ہے

یہ میں، وہ تم، یہ آئینہ اب خود ہی یہ بتاؤ
منسوب کس کے نام بہارِ حیات ہے

دن کاروبارِ وقت کی مرضی پہ ڈھل گیا
اب کچھ شراب دو کہ بڑی سخت رات ہے

مہ پیکران آئینہ خواب کھو چکے
خود میرا عکس ہائے ابھی ساتھ ساتھ ہے

آؤ سلام زندہ رہیں اور بطرزِ نو
پہلے سے کچھ حسین، یہ بزمِ حیات ہے

کاش تم سمجھ سکتیں زندگی میں شاعر کی ایسے دن بھی آتے ہیں
جب اسی کے پروردہ چاند اس پہ ہنستے ہیں پھول مسکراتے ہیں
اب تو میرے شہ پارے جو تم ہی سے تھے منسوب یوں جھلک دکھاتے ہیں
دور ایک مندر میں کچھ دیے مرادوں کے جیسے جھلملاتے ہیں
تم نے کب یہ سمجھا تھا، میں نے کب یہ سوچا تھا، زندگی کی راہوں میں
چلتے چلتے دوراہی ایک موڑ پر آ کر خود ہی چھوٹ جاتے ہیں
کام حسن کاروں کا آنسوؤں کی ضو دے کر کچھ کنول کھلا دینا
موت حسن کاروں کی، جب وہ خود شب غم میں یہ دیے بجھاتے ہیں
تیز تر ہوائیں ہیں، موت کی فضائیں ہیں، رات سرد و جامد ہے
اخمریں ستارے بھی واقعی دوانے ہیں اب بھی مسکراتے ہیں
الوداع اے میری شاہکار نظموں کی زرنگار شہزادی
ماورائے الفت بھی کچھ نئے تقاضے ہیں جو مجھے بلاتے ہیں

پھر پوچھتا ہوں جام میں شعلے اچھال کر
کیا چاہتا ہے اے غم ہستی سوال کر

ساغر میں آگ، آگ میں خوں اور لہو میں موت
آیا ہوں آج دل کی تمنّا نکال کر

اک دل ہے اور وہ غم جاناں میں محو ہے
آ اے غم حیات مگر دیکھ بھال کر

بیشک میں پھول دیکھ کے چھوتا بھی ہوں اسے
اب۔ جو بھی اے بہار کی دیوی خیال کر

انساں ہوں اور مجھ کو یہ دنیا عزیز ہے
اے روشنی طبع نہ جینا خیال کر

یہ سوچ کر کہ زہر ہی آب حیات ہے
خوش ہوں میں آستینوں میں کچھ سانپ پال کر

دو چار اہل دل ہیں ابھی بزم میں سلام
تو بھی غریب شہر اب اظہار حال کر

صبح دم بھی یوں فسردہ ہو گیا
اے دل نازک تجھے کیا ہو گیا

سینہ بربط سے جو شعلہ اٹھا
غم زدوں کے دل کا نغمہ ہو گیا

شکریہ اے گردش جام شراب
میں بھری محفل میں تنہا ہو گیا

رات دل کو تھا سحر کا انتظار
اب یہ غم ہے کیوں سویرا ہو گیا

پوچھئے اس سے غم ساز خلوص
چار ہی دن میں جو رسوا ہو گیا

بجھ گئی کچھ اس طرح شمع سلام
جیسے اک بیمار اچھّا ہو گیا

ماخذ

۱۔ وستعیں — سلام مچھلی شہری — مکتبہ اردو۔ لاہور

۲۔ اردو میں نظم معرا اور آزاد نظم — حنیف کیفی — مکتبہ جامعہ دہلی ۱۹۸۲

۳۔ ضبط شدہ نظمیں — خلیق انجم۔ مجتبیٰ حسین — " ۱۹۷۵

۴۔ تذکرہ شعرائے اترپردیش۔۳ — عرفان عباسی — نامی پریس لکھنؤ

۵۔ انتخاب سلام مچھلی شہری — انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ — کوہ نور پریس دہلی ۱۹۶۵

۶۔ شیرازہ — مرتب مخمور سعیدی گوپال متل۔ یونین پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۷۲

۷۔ اردو کے منتخب گیت — " قیصر جہاں — یوپی اردو اکادمی ۱۹۸۳

۸۔ فن اور شخصیت۔ غزل نمبر — " صابر دت — بمبئی مارچ ۱۹۷۸

۹۔ ماہنامہ "شاعر" قومی یک جہتی نمبر — بمبئی ۱۹۷۴

۱۰۔ ماہنامہ "کتاب" — لکھنؤ مارچ ۱۹۷۰

۱۱۔ ماہنامہ "نیا دور" — " مارچ ۱۹۶۰ / ۱۵ اگست ۱۹۷۳ / جولائی ۱۹۷۵

صرف نیشنل ہندوستان پرنٹنگ پریس، گولہ گنج، لکھنؤ میں چھپا۔